شوال المکرم ۱۴۴۰ھ
جون ۲۰۱۹ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

آزادیٔ ہند، تحریکِ پاکستان
اور قیامِ پاکستان کے بعد — علماء کا کردار

ایوب بیگ مرزا

رمضان المبارک کا خصوصی تحفہ

مُنتخباتِ
بیانُ القرآن
از
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

قرآنی مضامین کے گلہائے رنگارنگ
پر مشتمل ایک خوبصورت گل دستہ

• امپورٹڈ آفسٹ پیپر • معیاری طباعت • مضبوط جلد
• صفحات: 437 • قیمت: 800 روپے

رمضان المبارک میں خصوصی رعایتی قیمت 400 روپے

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)
Email:maktaba@tanzeem.org

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد : 68
شمارہ : 6
شوال المکرم 1440ھ
جون 2019ء
فی شمارہ 40/-

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

اندرون ملک	400 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700 ' فون: 3-35869501
فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org
ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: "دارالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور
(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 79-35473375 (042)
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

تذکرہ و تبصرہ 5

آزادیٔ ہند، تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان کے بعد — علماء کا کردار — ایوب بیگ مرزا

بیانُ القُرآن 19

سورۃ المؤمن (آیات ۱ تا ۲۲) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعۂ قرآن حکیم 33

بندۂ مؤمن کے تکمیلی اوصاف — شجاع الدین شیخ

تذکّر و تدبّر 43

پانی: قرآن اور سائنس کی نظر میں — ڈاکٹر محمد سرشار خان

انوارِ ھدایت 61

شرکیہ کام اور ان کا انجام — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

تذکیر و موعظت 66

عیدالفطر: قلب و روح کی لطافت اور تزکیہ کا دن — پروفیسر عبدالعظیم جانباز

تقابلِ ادیان 73

روزہ اور مذاہبِ عالم — مسز بینا حسین خالدی

ظروف و احوال 81

سانحۂ کرائسٹ چرچ اور اسلاموفوبیا — محمد عمران خان

آزادیٔ ہند، تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان کے بعد — علماء کا کردار

از: ایوب بیگ مرزا

سرزمین ہندوستان کئی لحاظ سے ایک پُرکشش جگہ تھی۔ سردی، گرمی، بہار، خزاں ہر قسم کا موسم۔ بہت سی زبانیں، ہر قسم کی رنگت کے لوگ، گورے بھی، سانولے بھی اور کالے بھی۔ مزاج کے لحاظ سے گرم بھی اور ٹھنڈے بھی، مہمان نواز بھی اور جھگڑالو بھی، بزدل میدانی لوگ بھی اور پہاڑوں کے سخت جان اور جنگجو بھی۔ زمین ایسی زرخیز کہ دنیا بھر میں کہیں نہ ہوگی۔ اناج کا گھر تھا، بحیثیت مجموعی ایسا امیر ملک کہ سونے کی چڑیا کے طور پر مشہور تھا۔ زیادہ حصہ میدانی ہے جہاں کے لوگ آسودہ حال ہیں اور اکثریت تن آسان ہے۔ لوگوں کی اکثریت ہندو مذہب سے تعلق رکھتی تھی اور بتوں کی پوجا کرتی تھی۔ کوئی الہامی مذہب نہ تھا۔ دنیاوی لحاظ سے پُرکشش ہونے کی بنا پر بیرونی حملہ آوروں کی آماجگاہ بنا رہا۔ کبھی یونان کے سکندر نے اِس سرزمین کو پاؤں تلے روندا۔ بہت سے حملہ آور شمال مغرب سے آئے۔ اسی لیے اِس طرف کے پہاڑی سلسلہ کو کوہِ ہندوکش کہا جاتا ہے، لیکن اہل ہند میں یہ صلاحیت تھی کہ یا تو وہ حملہ آوروں سے سودا بازی کر کے (یعنی تاوان ادا کر کے) انہیں لوٹا دیتے یا انہیں اپنی تہذیب میں رنگ لیتے۔

صحرائے عرب میں انقلابِ مصطفوی ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں مسلمان قافلے بھی اِدھر آئے تھے۔ سندھ میں مسلمان عورت سے پیش آنے والے سانحہ کے بعد مسلمان جرنیل محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے سندھ کو فتح کیا اور عرب سے ہندوستان میں سندھ کے

راستے اسلام داخل ہوا۔ محمد بن قاسمؒ کو جلد واپس لوٹنا پڑا، لیکن ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ بیرونی تہذیب ہندو تہذیب پر اثر انداز ہوئی۔ بعدازاں مسلمان فاتحین بھی شمال مغرب سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ غزنوی آئے، غوری آئے، لیکن وہ شریر اور سازشی ہندوؤں کو سزا دینے کے بعد مالِ غنیمت کے ساتھ واپس لوٹ جاتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ بعدازاں مسلمان فاتحین کو کشور کشائی کا شوق چرایا اور انہوں نے پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کے مختلف قبیلوں اور خاندانوں نے ہندوستان پر حکومت کی۔ خاندانِ غلاماں بھی آیا، لودھی بھی، مغل بھی آئے۔ یوں ایک طویل عرصہ تک مسلمان اقلیت نے ہندو اکثریت پر حکومت کی۔ اِن مسلمان حکمرانوں نے اگرچہ قاضی مقرر کیے اور وہ اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کرتے تھے، لیکن اُن کی اصل توجہ اپنے خاندان اور اپنی نسل کی تادیر حکومت قائم رکھنے پر مرکوز رہی۔ اُنھوں نے اہلِ ہند کو اسلام کی دعوت نہ دی، کیونکہ اُن کی ترجیح اوّل و آخر اپنی حکومت کو طوالت دینا تھا۔ لیکن صوفیاء کرام اور بزرگانِ دین نے دعوت کا یہ کام بڑی تندہی اور خلوص سے کیا، جس سے ہندوستان میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے اسلام قبول کر لیا، لیکن پھر بھی ہندو کی اکثریت رہی، کیونکہ حکمران ہونے کے باوجود کسی ایک شخص کو بھی جبراً مسلمان کرنے کی مثال نہیں ملتی۔ وقت کے ساتھ ساتھ مسلمان بادشاہوں کی دنیاداری بلکہ عیاشیوں اور بدمعاشیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور ایک نہیں کئی رنگیلے شاہ پیدا ہوئے۔ سرزمین ہندوستان میں کشش قائم تھی۔ وہ اب بھی اناج کا گھر تھا اور اُسے سونے کی چڑیا ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ حکمرانوں کی نااہلی اور رنگ رلیوں میں مست ہونے کی وجہ سے مختلف یورپی اقوام نے ہندوستان پر قسمت آزمائی کی اور بالآخر انگریز کامیاب ہوا۔ خود مسلمان حکمرانوں نے انگریز کو ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کرنے کی اجازت دی، جو بالآخر ہندوستان کو تختِ برطانیہ کے ماتحت لانے میں کامیاب ہوئی اور انگریز ہندوستان پر بلاشرکت غیرے حکمران بن گیا۔ ہندوستان اگرچہ رسمی طور پر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد تاجِ برطانیہ کا غلام ہوا، تب انگریز پورے ہندوستان کے سیاہ سفید کا مالک بن گیا، لیکن اٹھارہویں صدی کے خاتمے سے پہلے ہی انگریز ہندوستان کے مختلف حصوں میں اپنے پنجے گاڑنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ خاص طور پر ۱۷۹۹ء میں میسور کی دوسری جنگ میں ٹیپو سلطان کو شکست

دینے کے بعد حالات گواہی دے رہے تھے کہ انگریز کا ہندوستان پر مکمل قبضہ روکا نہ جا سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ مغل بادشاہ اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت لڑکھڑانے لگی تھی۔ اُس کے جانشین انتہائی نااہل ثابت ہوئے اور ہندوستان انارکی کا شکار ہونے لگا۔ دہلی قوت کا مرکز نہ رہا۔ جن مرہٹوں سے اورنگ زیب نے پچیس سال جنگ کی تھی' انہوں نے شکست قبول نہ کی' بلکہ اُن کی طاقت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بالآخر شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو افغانستان کے حکمران احمد شاہ ابدالی سے مرہٹوں کے خلاف مدد مانگنا پڑی اور یہاں سے ہندوستان کے علماء کا آزادیٔ ہند کے لیے باقاعدہ رول شروع ہوا۔ احمد شاہ ابدالیؒ نے ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کو شکستِ فاش دی۔ مسلمانوں کو جو خطرہ مرہٹوں سے لاحق تھا' وہ عارضی طور پر ٹل گیا' لیکن ہندوستان میں انارکی مزید پھیل گئی۔ مغلوں کی بادشاہت دہلی تک محدود ہو گئی۔ پنجاب میں سکھوں نے طوفانِ بدتمیزی برپا کیا ہوا تھا۔ وہ اسلامی شعائر کی توہین اور مساجد کی بے حرمتی کر رہے تھے۔ اس صورتِ حال میں وہ علماء کرام جو مدارس میں دینی تعلیم دے رہے تھے اور قال اللہ اور قال رسول اللہ ﷺ کی گردان میں خود کو مصروف رکھے ہوئے تھے' میدانِ عمل میں نکلے۔ ان علماء کرام نے میدان میں نکل کر کیسی کیسی قربانیاں دیں اور کس قدر جانفروشی کا مظاہرہ کیا اس کی تفصیل پر تو کئی کُتب لکھی جا چکی ہیں اور مزید لکھی جا سکتی ہیں۔

بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ پہلے عالمِ دین تھے جنہوں نے علی الاعلان انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ تحریکِ شہیدین شروع ہوئی جو ایک زبردست تحریک تھی' لیکن اپنوں کے ہاتھوں زخم کھا کر ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ میں دم توڑ گئی۔ سید احمد شہیدؒ اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ہماری رائے میں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی تحریکِ شہیدین کا تسلسل تھی۔ انگریز یہ جان چکا تھا کہ مسلمانوں کا روحانی قائد عالمِ دین ہے جو منبر و محراب سے اُسے ہدایات دیتا ہے اور مسلمانوں کا ایک بہت بڑا حصہ اُس کے حکم پر عمل درآمد کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔ لہٰذا اس نے علمائے کرام کو اِس نوعیت کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا کہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ انہیں نیست و نابود کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ہمارے یہ بزرگ کس طرح اِس ظلم و ستم کے خلاف ڈٹے رہے' اس کا اس طرح بیان کرنا کہ اُن کی قربانیوں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا حق ادا کیا جا سکے کسی مؤرخ کے بس کی بات نہیں۔ جنگِ آزادی کی

ناکامی کے بعد چاندنی چوک دہلی' جسے خونی چوک بھی کہا جانے لگا' میں جن ہزاروں افراد کو پھانسی دی گئی' اُن میں پانچ سو سے زائد علماء کرام تھے۔ شیر محمد نامی ایک عالم دین کو درخت سے اُلٹا لٹکا دیا گیا۔ نیچے آگ جلا دی گئی اور وہ آہستہ آہستہ بھسم ہوتے رہے۔

ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم اِن تمام علماء کرام کے سنہری کارناموں کا ذکر کریں۔ لہٰذا ہم اُن میں سے چند ایک نام قارئین کے سامنے لے آتے ہیں تاکہ مغرب کی پیدا کردہ مصنوعی روشنیوں میں گم نوجوان کم از کم یہ ہی جان لیں کہ ہمارے اِن محسنوں کے اسمائے گرامی کیا تھے۔ سید احمد شہید' مولانا اسماعیل شہید' حاجی امداد اللہ مہاجر مکی' مولانا محمد قاسم نانوتوی' مولانا رشید احمد گنگوہی' مولانا احمد اللہ مدراسی' مولانا عنایت علی صادق پوری' مولانا ولایت علی صادق پوری' مولانا محمد جعفر تھانیسری' مولانا ابوالمحاسن سجاد بہاری' شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی' شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی' مولانا عبیداللہ سندھی' مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری' مفتی کفایت اللہ دہلوی' مولانا عبداللہ الوہاب آروی' مولانا حسرت موہانی اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہم اللہ وغیرہ ایسے نمایاں نام ہیں' جن کے تذکرے کے بغیر ہندوستان کی جہاد و حریت کی مختصر ترین تاریخ بھی ناقابلِ اعتبار ٹھہرے گی۔ بہرحال اِن برگزیدہ ہستیوں کو جتنا بھی خراجِ تحسین پیش کیا جائے' ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ درحقیقت ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان ہستیوں کی جدوجہد نے انگریز کی حکومت کی جڑیں کھوکھلی کر دی تھیں۔

تحریکِ پاکستان میں علماء کا کردار

سرزمین ہند کو انگریز کے وجود سے پاک کرنے کی جِدّوجُہد میں برصغیر کے تمام علماء متحد اور یکسو تھے اور یہ جدوجہد ہر قسم کی مسلکی تفریق سے بالاتر تھی۔ تاریخ کا بغور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آزادیٔ ہند کے حوالے سے برصغیر میں مستند علمائے کرام میں دو آراء تھی ہی نہیں' جبکہ تحریک پاکستان میں معاملہ مختلف تھا' جہاں علماء کرام کی تقسیم واضح نظر آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں تحریک ریشمی رومال کے ناکام ہونے اور تحریک خلافت کے نتیجہ خیز ثابت نہ ہونے سے یہ تاثر سامنے آیا کہ زور آزمائی کر کے انگریز کو ہندوستان سے نکلنے پر مجبور کر دینا انتہائی مشکل بلکہ شاید ناممکن ہوگا۔ دوسری طرف جمہوریت

یورپ میں اپنے پاؤں مکمل طور پر جما کر اب دنیا کے دوسرے حصوں کا رُخ کر چکی تھی۔ لہٰذا برصغیر کی دونوں بڑی قومیں یعنی ہندو اور مسلمان یہ سمجھ گئے تھے کہ انگریز سے ہند کو نجات دلانے کے لیے اب سیاسی جدوجہد زیادہ سودمند ثابت ہوگی۔ ہندو اِس معاملے میں مسلمان سے زیادہ حساس تھا۔ لہٰذا ہندوؤں نے ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے نام سے ایک سیاسی پارٹی قائم کر لی اور مختلف انداز میں انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد شروع کر دی' جس میں جلسے جلوس بھی تھے' مرن برت بھی تھے اور ہندوستان چھوڑ دو جیسی عدم تشدد پر مبنی عوامی تحریک بھی تھی۔ مسلمان سیاسی طور پر اتنے بیدار نہیں تھے۔ انہوں نے ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں مسلم لیگ کی بنیاد تو ڈالی لیکن عوامی رابطے کے حوالے سے مسلمانوں کی اُس دور میں کوئی خاص کارکردگی نظر نہیں آتی۔ یہی وجہ تھی کہ محمد علی جناح نے بھی اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کانگریس میں شامل ہو کر کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ مسلمانوں کو احساس ہوا کہ کانگریس کو ہندو مفادات عزیز ہیں۔ ردعمل میں مسلم لیگ عوامی سطح پر بڑی سست روی سے آگے بڑھتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ محمد علی جناح بھی کانگریس کے عزائم کو سمجھنے کے بعد مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ لیکن مسلم لیگیوں کی بے اُصولیاں اور نوابی رنگ دیکھ کر وہ مایوس ہوئے اور برصغیر کو خیرباد کہہ کر لندن واپس چلے گئے۔ ہندوستان کو آزادی دلانے کے حوالے سے اب سیاسی منظر پر کانگریس چھائی ہوئی تھی۔

جمعیت علمائے ہند علمائے کرام کی برصغیر میں سب سے بڑی جماعت تھی۔ ان میں اکثر اُن لوگوں کی صُلبی اور معنوی اولاد تھی جنہوں نے ماضی میں انگریز کے خلاف مختلف محاذوں پر جہاد کیا تھا اور ان کا تعلق مسلک دیوبند سے تھا۔ چنانچہ اِس دینی جماعت نے انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے کانگریس کا سیاسی سطح پر ساتھ دینا شروع کر دیا۔ گویا علماء نے بھی سیاسی جدوجہد کا راستہ اختیار کر لیا۔ وہ منبر و محراب سے مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف سیاسی جدوجہد میں شریک ہونے پر اُبھارتے تھے۔ مسلم لیگ اِس وقت تک خود کو منظم اور مؤثر سیاسی جماعت ثابت نہ کر سکی تھی۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں جو ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں منعقد ہوئے' کانگریس تمام صوبوں میں حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئی' جبکہ مسلم لیگ کسی بھی صوبے میں کامیابی حاصل نہ کر سکی اور اکثر مسلم نشستیں بھی کانگریس نے جیت لیں۔ لیکن

کانگریس کی جیت اور مسلم لیگ کی ہار کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کا اصل چہرہ نظر آ گیا۔ وہ یوں کہ تمام کانگریسی حکومتوں نے صرف ہندوؤں کے مفادات کا تحفظ کیا' مسلمانوں کو دبایا اور اُن کے آئینی حقوق بھی ادا نہ کیے۔

یہ تھا وہ Turning Point جس کو جمعیت علمائے ہند سمجھنے میں ناکام ہوئی۔ ہندو کے اِس سلوک نے مسلمانانِ ہند کا رُخ مسلم لیگ کی طرف پھیر دیا۔ محمد علی جناح کو علامہ اقبال ۱۹۳۲ء کی دوسری گول میز کانفرنس کے دوران اِس بات پر قائل کر چکے تھے کہ وہ ہندوستان واپس آ جائیں اور آزادی کے حوالے سے مسلمانوں کو مذہبی انجکشن لگائیں۔ محمد علی جناح نے ہندوستان بھر میں ہندو اور مسلم دو الگ الگ قومیں ہونے کا زبردست ڈھنڈورا پیٹا۔ مولانا مودودیؒ نے بھی مسلم لیگ سے بعض امور پر اختلافات ہونے کے باوجود دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کیا کہ ہندو اور مسلمان دو مکمل طور پر الگ الگ قومیں ہیں۔ ۱۹۴۰ء کی ''قراردادِ لاہور'' کو جب ہندو پریس نے ''قراردادِ پاکستان'' قرار دے دیا تو قائداعظم کی قیادت میں مسلم لیگ کے نعرے ''لے کر رہیں گے پاکستان'' اور ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ'' ہندوستان بھر میں گونجنے لگے۔ جمعیت علمائے ہند جس نے ماضی میں ہندوستان سے انگریز کو نکالنے کی جدوجہد میں بے مثل جانی و مالی قربانیاں دی تھیں' بدلتے ہوئے حالات کو سمجھنے میں ناکام ہوئی اور سیاسی سطح پر بدستور کانگریس کا ساتھ دیتی رہی اور تقسیم ہند کے لیے وہ خود کو قائل نہ کر سکی۔ لہٰذا اُس نے تحریک پاکستان کے حوالے سے مسلم لیگ کے مطالبے کی حمایت کرنے سے انکار کر دیا۔

تحریک پاکستان کے مخالفین میں مولانا حسین احمد مدنی' عبدالباری فرنگی محلی' مفتی کفایت اللہ دہلوی' مولانا احمد سعید دہلوی' مولانا ابوالکلام آزاد' سید عطاء اللہ شاہ بخاری' مولانا داؤد غزنوی اور حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔ جبکہ بریلوی مکتب فکر کے علماء نے تحریکِ پاکستان کی زبردست حمایت کی۔ بعدازاں جمعیت علمائے ہند میں بھی تحریکِ پاکستان کے حوالے سے تقسیم نظر آتی ہے۔ ۱۹۳۸ء میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک وفد قائداعظم کے پاس بھیجا۔ مفتی محمد شفیعؒ اور شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی تحریکِ پاکستان کی حمایت کی۔ لہٰذا یہاں دو باتوں کی وضاحت بہت ضروری ہے۔ اولاً یہ کہ ایسا نہیں تھا کہ

ہندوستان کے تمام علماء قیامِ پاکستان کے مخالف تھے۔ اِن کی ایک بہت بڑی تعداد کانگریس کے خلاف اور مسلم لیگ کی ہمنوا تھی۔ دوسری بات انتہائی اہم ہے‘ وہ یہ کہ کچھ سادہ لوح مسلمان اور اکثر سیکولر اور لبرل مذہب بے زار نام نہاد دانشور یہ پروپیگنڈا کرنے سے باز نہیں آتے کہ جو علمائے کرام تحریک پاکستان کے خلاف تھے وہ درحقیقت مسلمانوں کے دشمن تھے۔ یہ بات حرفِ غلط سے بھی کہیں زیادہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کانگریس سے ذہنی مطابقت رکھنے والے علمائے کرام جو تحریک پاکستان کے مخالف تھے‘ وہ سمجھتے تھے کہ پاکستان بن جانے سے مسلمانوں کی طاقت تقسیم ہو جائے گی‘ جس سے مسلمانانِ برصغیر بحیثیت مجموعی نقصان میں رہیں گے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ مغرب کے رنگ میں رنگی ہوئی مسلم لیگی قیادت پاکستان کو اسلامی ریاست نہیں بنائے گی اور دوسری طرف بھارت میں ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد مزید کم ہو جائے گی‘ جس سے بھارت میں مسلمانوں پر ظلم وستم بدترین صورت اختیار کر جائے گا۔ گویا اصل صورتِ حال یہ تھی کہ مسلم لیگ اور پاکستان مخالف علماء کرام دونوں برصغیر کے مسلمانوں کے خیر خواہ تھے اور اُن کا بھلا چاہتے تھے۔ صرف سوچ اور اندازِ کار کا فرق تھا۔ مسلم لیگ کا موقف تھا کہ پاکستان بنا کر برصغیر کے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کو ہندو کے جبر اور مکر سے بچایا جائے اور علمائے کرام کا موقف تھا کہ برصغیر کے مسلمان پاکستان بننے سے تقسیم ہو جائیں گے جن سے اُن کی قوت منتشر ہو جائے گی۔ پاکستان مخالف علماء کا اصل موقف عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی درج ذیل تقریر کے اقتباس سے سامنے آتا ہے۔ آپ نے ۲۶/اپریل ۱۹۴۶ء کو دہلی کے اردو پارک میں ایک بڑے مجمع سے خطاب میں فرمایا:

> ’’اس وقت آئینی اور غیر آئینی بحث چل رہی ہے کہ آیا ہندوستان میں مسلم اکثریت کو ہندو اکثریت سے جدا کر کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے‘ قطع نظر اس سے کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ مجھے پاکستان بن جانے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ صبح کو سورج مشرق سے طلوع ہوگا‘ لیکن یہ وہ پاکستان نہیں بنے گا جو دس کروڑ مسلمانوں کے ذہنوں میں موجود ہے اور جس کے لیے آپ بڑے خلوص سے کوشاں ہیں۔ ان مخلص نوجوانوں کو کیا معلوم کہ کل ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ بات جھگڑے کی نہیں سمجھنے اور سمجھانے کی ہے۔ تحریک کی قیادت کرنے والوں کے قول وفعل میں بلا کا تضاد اور اور بنیادی فرق ہے۔ اگر آج مجھے کوئی اس بات کا یقین دلا دے کہ کل کو ہندوستان کے کسی

قصبے کی گلی میں یا کسی شہر کے کسی کوچے میں حکومتِ الٰہیہ کا قیام اور شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ ہونے والا ہے تو ربِّ کعبہ کی قسم‘ میں آج ہی اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو لوگ اپنی اڑھائی من کی لاش اور چھ فٹ کے قد پر اسلامی قوانین نافذ نہیں کر سکتے‘ جن کا اُٹھنا بیٹھنا‘ وضع قطع‘ جن کا رہن سہن‘ بول چال‘ زبان وتہذیب‘ کھانا پینا‘ لباس وغیرہ غرض کوئی چیز بھی اسلام کے مطابق نہ ہو‘ وہ دس کروڑ انسانی آبادی کے ایک قطعۂ زمین پر اسلامی قوانین کیسے نافذ کر سکتے ہیں؟ یہ ایک فریب ہے اور میں یہ فریب کھانے کے لیے تیار نہیں۔ ہندو اپنی مکاری اور عیاری سے ہمیشہ پاکستان کو تنگ کرتا رہے گا‘ اسے کمزور بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا‘ اس تقسیم کی بدولت آپ کے دریاؤں کا پانی روک دے گا‘ آپ کی معیشت تباہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ آپ کی یہ حالت ہوگی کہ بوقت ضرورت مشرقی پاکستان مغربی پاکستان کی اور مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کی کوئی مدد کرنے سے قاصر ہوگا۔ اندرونی طور پر پاکستان میں چند خاندانوں کی حکومت ہوگی اور یہ خاندان زمینداروں‘ سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کے خاندان ہوں گے۔ امیر دن بدن امیر ہوتا جائے گا اور غریب غریب تر۔‘‘

موجودہ حالات پر نظر ڈالی جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ علمائے ہند کے خدشات درست تھے۔ واقعتاً پاکستان آج ستر (۷۰) سال بعد بھی حقیقی اسلامی ریاست بننے سے کوسوں دور ہے اور بھارت میں مسلمان ہندو کے مظالم کا بری طرح شکار ہو رہا ہے۔ لیکن دوسری طرف دلیل یہ ہے کہ موجودہ جمہوری سیٹ اَپ میں ظاہر ہے کہ حکومت اکثریت کی بنتی ہے اور جب ہندو اکثریت کو حکومتی سرپرستی بھی حاصل ہوگی تو متحدہ ہندوستان میں مسلمان اقلیت چاہے وہ کتنی بڑی اقلیت کیوں نہ ہو‘ ہندو کے ظلم وستم کا نشانہ یقیناً بنتی رہے گی۔ اس لیے کہ ریاستی قوت کا مقابلہ ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہوتا ہے۔ جہاں تک اِس بات کا تعلق ہے کہ پاکستان ستر (۷۰) سال سے اسلامی ریاست نہیں بن سکا تو اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ پاکستان کبھی بھی اسلامی ریاست نہیں بن سکے گا۔ حالات تبدیل ہوتے وقت نہیں لگا کرتا۔

پھر یہ کہ تحریکِ پاکستان کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد ایسے واقعات رونما ہوئے جن سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ پاکستان مشیت ایزدی کا حصہ ہے۔ خود مولانا حسین احمد مدنیؒ قیام پاکستان سے پہلے اپنے مریدین کو اطلاع دیتے ہیں کہ ملأ اعلیٰ میں قیام پاکستان کا فیصلہ

ہو چکا ہے۔ پھر یہ کہ پاکستان کی جو جیو **سٹرٹیجیکل** پوزیشن ہے یہ عطائے خداوندی ہے۔ چین کو اپنے عزائم کی تکمیل یعنی سپر قوت بننے میں پاکستان کی ضرورت ہے۔ حالات روس کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ پاکستان سے نہ صرف دشمنی ختم کرے بلکہ دوستی کا ہاتھ بڑھائے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں انتہائی پسماندہ ملک ہونے کے باوجود ایٹمی قوت بن جانا ایک معجزہ ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آنے والے وقت میں اللہ تعالیٰ پاکستان سے کوئی انتہائی اہم کام لینے والا ہے۔ لہٰذا اِس بات میں بہت وزن ہے کہ پاکستان عرشِ بریں کی منصوبہ بندی کا حصہ تھا اور ہے۔ کوئی اسے خوش فہمی یا مجذوب کی بڑ قرار دے سکتا ہے' لیکن بعض اشارات کو غور سے دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے جو ہمارے اِس قلبی یقین کو جواز فراہم کرتے ہیں کہ اللہ نے چاہا تو موجودہ حالات بدلیں گے اور پاکستان ایک اسلامی ریاست بنے گا۔ اس ساری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ اگرچہ فی الحال علماء کرام کے خدشات ہی کسی حد تک درست ثابت ہوئے ہیں' لیکن جس طرح انگریز حکمران اور ہندو اکثریت پاکستان کے قیام کے راستے میں حائل نہ ہو سکے اور مصورِ پاکستان کے خواب کے مطابق پاکستان ہندوستان کے شمال مغرب میں معرضِ وجود میں آ گیا' اسی طرح علامہ اقبال کا یہ خواب بھی سچ اور برحق ثابت ہوگا اور پاکستان ایک ایسی ریاست بن کر سامنے آئے گا جس میں عدلِ اجتماعی پر مبنی ایسا نظام قائم ہوگا جس سے دورِ ملوکیت میں اسلام کے چہرے پر بڑے بدنما دھبے دور ہو جائیں گے اور اسلام کا حقیقی روشن چہرہ دنیا کو منور کر دے گا۔ ان شاء اللہ!

قیامِ پاکستان کے بعد علماء کا کردار

قیامِ پاکستان کے بعد بھی آغاز میں علماء کا کردار شاندار تھا۔ جہاں قائداعظم نے اعلیٰ ظرفی اور وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود پر تنقید کے تیر برسانے والے مولانا مودودیؒ کو ریڈیو پر اسلام کے حوالے سے گفتگو کا موقع فراہم کیا وہاں امیر جماعت نے بھی نہ صرف خوش دلی سے قبول کیا بلکہ نہایت مثبت انداز اور غیر سیاسی انداز میں دعوتِ اسلام کے ابلاغ کا حق ادا کیا۔ قائداعظم کی صحت پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے ہی جواب دے چکی تھی' لیکن اُن کے عزم اور مشن کی دُھن نے انہیں بستر پر پڑنے نہ دیا' بعدازاں صحت مزید بگڑتی چلی گئی۔ پھر مہاجرین سے جو کچھ ہندوؤں اور سکھوں نے کیا اس نے انہیں بُری طرح متاثر کیا۔

اِس بیماری کے ساتھ وہ ایک سال ایک ماہ زندہ رہے اور اِس انتہائی قلیل وقت میں انہوں نے جو واحد محکمہ قائم کیا وہ نومسلم علامہ اسد کی زیرِ قیادت ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک ری کنسٹرکشن تھا جس نے اِسلامی ریاست کے خدوخال طے کرنے تھے۔ قائداعظم ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اِس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے قادیانی وزیر خارجہ ظفر اللہ نے علامہ اسد کو پاکستان سے چلے جانے پر مجبور کیا اور حکومتی سطح پر اسلام کے حوالے سے کام ٹھپ ہو گیا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی تن تنہا ڈیڑھ سال تک حکومتی مجالس میں حکمرانوں کو اسلامی ریاست کی طرف بڑھنے کی ترغیب دیتے رہے' بالآخر وہ بھی چل بسے۔ اُنھوں نے آئین ساز اسمبلی میں ایک پُرجوش اور مدلّل تقریر کی اور حکومت کو الٹی میٹم دے دیا کہ اُس نے اگر ملک کو اسلامی ریاست بنانے کی طرف کوئی قدم نہ اُٹھایا تو وہ میدان میں نکلیں گے اور عوام کو بتائیں گے کہ مسلم لیگ نے آپ سے فراڈ کیا ہے۔ یہ دھمکی کام آئی اور قراردادِ مقاصد منظور ہو گئی۔ یہ مولانا کا عظیم کارنامہ تھا۔ مسلم لیگیوں نے ایک بار پھر لیت ولعل سے کام لینا شروع کیا اور اس طرح کے سوال کھڑے کرنا شروع کر دیے کہ بریلوی' دیوبندی' اہل حدیث اور اہل تشیع میں سے کسی کا اسلام نافذ کیا جائے؟ جس پر ۳۱ علماء نے' جن میں ہر مسلک کی نمائندگی تھی' بائیس (۲۲) نکاتی مشترکہ چارٹر پیش کر کے اِس سوال کا دندانِ شکن جواب دیا۔

۱۹۶۲ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کا ادارہ وجود میں آیا' لیکن ۱۹۷۳ء کے آئین کی تشکیل کے بعد اس نے فعال رول کا آغاز کیا۔ شروع میں اس میں مستند اور مخلص علماء کرام کو شامل کیا گیا اور حقیقت یہ ہے کہ ان علماء نے بڑی جانفشانی اور محنت سے پاکستان میں غیر شرعی قوانین کی نشاندہی کی اور پاکستان کے قوانین کو شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کے حوالے سے مفید مشورے دیے۔ آئین کے مطابق اسلامی نظریاتی کونسل کی تجاویز کو پارلیمنٹ میں پیش کیا جانا لازم تھا' لیکن پارلیمنٹیرینز نے اسے بھی کھیل بنا لیا اور ان تجاویز کے بارے میں presented کہہ کر آگے نکل جاتے۔ اور بعدازاں یہ ادارہ سیاسی مفادات کے حصول اور پسندیدہ قوتوں کو نوازنے کا ایک ذریعہ بن گیا۔

اسلامی نظام کے نفاذ کے حوالے سے حکومت کے پاس سازشوں اور سیاسی حربوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ افسوس علماء اِن سازشوں کو سمجھ نہ سکے یا سادہ لوحی میں سیاست دانوں کے ہاتھوں

استعمال ہوتے رہے۔ ۱۹۵۳ء کی اینٹی قادیانی تحریک درحقیقت مسلم لیگیوں کی اندرونی جنگ کا حصہ تھی۔ پنجاب کے وزیراعلیٰ میاں ممتاز احمد دولتانہ خواجہ ناظم الدین کی جگہ خود وزیراعظم بننا چاہتے تھے۔ انہوں نے علماء کو جذباتی طور پر استعمال کیا۔ تحریک بے نتیجہ رہی اور قادیانیوں کا کچھ نہ بگڑا' بلکہ وہ تقویت حاصل کر گئے اور انہوں نے حساس اداروں میں کئی اہم پوزیشنوں پر قبضہ کر لیا۔ اُنھوں نے اپنی قوت کو غلط assess کر لیا۔ ۱۹۷۴ء میں بھٹو حکومت کے خلاف سازش کی' جس میں بھٹو کو قتل کرنے کا پروگرام بھی شامل تھا۔ سازش پکڑی گئی۔ بھٹو اب قادیانیوں کے دشمن تھے' لہٰذا علماء نے ایک تحریک چلائی' جسے خود حکومت نے بڑھاوا دیا اور قادیانی غیر مسلم قرار دے دیے گئے۔ آئینی ترمیم کے ذریعے قادیانیوں کو مسلمانوں کی فہرست سے نکال تو دیا گیا لیکن اِس ترمیم میں ابہام رہ گئے یا رکھے گئے جس سے قادیانیوں کا کچھ نقصان تو ہوا اور انہیں اپنا سیکرٹیریٹ پاکستان سے باہر منتقل کرنا پڑا۔ لیکن قادیانی فتنہ فرو نہ ہو سکا اور وہ آج تک نہ صرف پاکستان بلکہ اُمّتِ مُسلمہ کو مسلسل نقصان پہنچا رہے ہیں۔ یہ فتنہ اُسی صورت میں دفن ہو سکتا تھا جب صحیح شرعی قوانین کا نفاذ ہوتا۔

قیام پاکستان کے بعد علماء سے جو سب سے بڑی غلطی ہوئی وہ انتخابی سیاست میں کود پڑنا تھا۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اِس حوالے سے مولانا مودودیؒ کی جماعت نے پہل کی' پھر دیکھا دیکھی دوسری اسلامی جماعتیں بھی انتخابات میں حصہ لینے لگیں۔ نتیجہ کیا نکلا؟ یہ تاریخ کا تکلیف دہ سبق ہے۔

۱۹۷۷ء میں انتخابی دھاندلی کے خلاف اُٹھنے والی اینٹی بھٹو تحریک کو ''تحریک نظام مصطفیٰؐ'' کا نام دینا پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا فراڈ تھا۔ اِس تحریک میں اگرچہ مسلمانوں کے تمام مسالک کے علماء نے بھرپور حصہ لیا' لیکن کسی ایسی تحریک کو تحریکِ نظام مصطفیٰ کہنا جس میں بیگم ولی خاں اور ایئر مارشل اصغر خان جیسے خالص اور کٹر سیکولر شامل ہوں' بہت بڑی زیادتی تھی اور علماء کرام کی سنگین اور ناقابل فراموش غلطی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فوج نے ملکی سلامتی کے خطرے کو عذر بنا کر مارشل لاء لگا دیا۔ جونہی بھٹو منظر سے غائب ہوا تحریک دم توڑ گئی' کیونکہ یہ تحریک نظام مصطفیٰ نہیں بلکہ اینٹی بھٹو تحریک تھی۔ مارشل لاء والوں نے علماء کرام کے کندھوں کو تھپتھپایا' انہیں وزارتیں دے دیں' لیکن چند ماہ میں اُن کی چھٹی کرا دی اور خود گیارہ

سال بلکہ تاحیات حکومت کی۔ علماء ہاتھ ملتے رہ گئے۔ ضیاء الحق چونکہ نام نہاد تحریک نظام مصطفیٰ کے نتیجہ میں حکمران بنے تھے لہٰذا گیارہ سال تک قوم کو اسلام کی لوری دیتے رہے۔

ضیاء الحق کے بعد نواز شریف اور بے نظیر بھٹو کرسی کرسی کھیلتے رہے اور سچی بات یہ ہے کہ سیاسی میوزیکل چیئر کے اِس کھیل میں علماء کرام کبھی ایک کو سہارا دیتے اور کبھی دوسرے کو۔ یوں بھی ہوا کہ جمعیت علمائے اسلام کے امیر مولانا مفتی محمود اسلام بیزار نیشنل عوامی پارٹی کی آشیر باد بلکہ عملی مدد سے سابقہ صوبہ سرحد اور موجودہ خیبر پختونخوا کے وزیراعلیٰ بنے' اور یہ بھی ہوا کہ اسٹیبلشمنٹ کی بنائی ہوئی ''آئی جے آئی'' میں جماعت اسلامی مسلم لیگ سے بغلگیر ہو گئی۔ یہ وہ وقت تھا کہ اسلامی جماعتوں کے پاس اکثر حلقوں میں اتنے ووٹ تھے کہ سیکولر جماعتیں اُن کی چاپلوسی کرتی رہیں' لیکن اللہ معاف کرے' پھر وہ وقت آیا جو اب تک چل رہا ہے کہ اسلامی جماعتیں سیکولر جماعتوں کے پیچھے انتخابی اتحاد کا جھنڈا لیے بھاگتی نظر آتی ہیں اور سیکولر جماعتیں اور لیڈر مڑ کر دیکھنے کے روادار نہیں۔

اسلامی سیاسی جماعتوں اور ان کے راہنماؤں کی فرسٹریشن جب اپنی انتہا کو پہنچی تو انہوں نے مشرف دور میں ظاہری طور پر ایک مثبت فیصلہ کیا اور ''ایم ایم اے'' کے نام سے ایک انتخابی اتحاد بنا لیا۔ اس طرح پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ وہ قومی اسمبلی میں بہت سی نشستیں اور صوبہ سرحد میں حکومت بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن یہ راز بھی جلد طشت از بام ہو گیا۔ فوجی ڈکٹیٹر پرویز مشرف مولوی حضرات کی اسمبلیوں میں نمائندگی دکھا کر امریکہ کو خوفزدہ کر کے مجبور کرنا چاہتا تھا کہ امریکہ اُس کی پشت پناہی جاری رکھے' کیونکہ اُسے خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ امریکہ کسی وقت اُس کی پشت سے ہاتھ اُٹھا سکتا ہے۔ اِسی وجہ سے MMA کو ''ملّا ملٹری الائنس'' کہا گیا تھا۔ وکی لیکس نے مولانا فضل الرحمٰن پر الزام لگایا تھا کہ اُنہوں نے امریکہ کو پیغام بھجوایا کہ اگر انہیں وزیراعظم بننے کا موقع دیا گیا تو وہ دوسرے سیاست دانوں کی نسبت امریکہ کی کہیں بہتر خدمت کریں گے۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ الزام سچا ہے یا جھوٹا' لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایم ایم اے نے اپنی اِس جزوی کامیابی کے بعد اسلام آباد میں یورپ کے سفیروں کے اعزاز میں ایک عشائیہ دیا تھا اور اپنے حوالے سے کچھ صفائیاں پیش کی تھیں۔ بہرحال مولانا وزیراعظم تو نہ بن سکے لیکن اُنھوں نے آخر تک فوجی ڈکٹیٹر جنرل پرویز مشرف کا بھرپور ساتھ

دیا۔ پانچ سال تک صوبہ سرحد میں حکومت کی‘ لیکن اسلام کے حوالے سے ایک بھی ٹھوس قدم نہ اُٹھایا۔ البتہ جب اگلے انتخابات قریب آئے تو ’’حسبہ بل‘‘ کے نام سے ایک بل اسمبلی سے پاس کرایا جسے عدالت نے مسترد کر دیا۔ مشرف دور میں اسمبلیوں سے ایسے قوانین منظور کروائے گئے جو کھلم کھلا خلافِ شریعت تھے۔ انتہائی تکلیف دہ بات ہے کہ سیاسی علماء نے اِن قوانین کے خلاف چند ایک بیان داغے لیکن عملاً کچھ نہ کیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ ہم اسمبلیوں کی نشستوں سے مستعفی ہو جائیں گے‘ لیکن عملاً نہ ہوئے‘ بلکہ مشرف حکومت سے بالواسطہ تعاون جاری رکھا۔ لہٰذا حق بات یہ ہے — اور اُصولی طور پر اگر حق بات کے کہنے سے آسمان کے ٹوٹ پڑنے کا خطرہ بھی ہو تب بھی اِس سے باز نہیں رہنا چاہیے اور وہ حق یہ ہے — کہ انتخابی سیاست سے سیاسی علماء نے اپنی ذات اور اپنی جماعت کے لیے تو بہت فوائد حاصل کیے لیکن اسلام کے حوالے سے کوئی پیش رفت نہ ہوئی‘ بلکہ یہ کہا جائے تو ہرگز غلط نہ ہوگا کہ علماء کی اسمبلیوں میں موجودگی کے باوجود اسلام کو بحیثیت نظام نہ صرف پسپائی کا سامنا کرنا پڑا بلکہ نفاذِ اسلام کا مطالبہ ہی کمزور پڑ گیا‘ جس کے یہ سیاسی علماء مکمل طور پر ذمہ دار ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد علماء کرام کے کردار کے حوالے سے ایک وضاحت کی جاتی ہے کہ اِس کھیل تماشے میں صرف سیاسی علماء یعنی جو انتخابات میں حصہ لیتے ہیں اور اقتدار کے کھیل میں شریک ہوتے ہیں‘ صرف وہ قصوروار ہیں‘ مدارس میں قال اللہ وقال رسول اللہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے والوں کا کوئی تعلق اور کوئی قصور نہیں۔ اس بات میں اپنی جگہ وزن ہے۔ اقتدار کی سیاست اور انتخابی اتحادوں کے جوڑ توڑ میں مدارس کے علماء کہیں نظر نہیں آتے‘ لیکن اہم سوال بلکہ اہم اعتراض یہ ہے کہ درس و تدریس کرنے والے علماء نے سیاسی علماء کو اپنے اُوپر مسلط کیوں کر رکھا ہے؟ اُن سے نجات کیوں حاصل نہیں کرتے؟ جبکہ اِن سیاسی علماء کا کردار روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور وہ اپنے سیاسی مقاصد کے لیے ان ہی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کو استعمال کرتے ہیں۔ یہ سیاسی سرپرست صاف صاف کہتے ہیں کہ اسلام صرف مدارس کی حد تک ہے‘ سیاست کا میدان الگ ہے۔ گویا وہ زبانِ حال سے کہتے ہیں کہ اسلام کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ اور دوسرے ہی سانس میں اسلام کو مکمل ضابطہ حیات بھی قرار دیتے ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں اور اِس پس منظر میں انتہائی اہم سوال یہ ہے کہ کیا مدارس کے علماء کا

معاشرے سے کوئی لینا دینا نہیں؟ معاشرے کا بگاڑ جس حد تک پہنچ چکا ہے‘ ایک عالم دین کو جہاں کہیں بھی وہ ہے‘ اپنی ذاتی اغراض اور مفادات سے بالاتر ہو کر نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں کرنا چاہیے؟ کیا اُن کا موجودہ طرزِ عمل ایک طرح کی رہبانیت نہیں ہے؟ معاشرے میں بڑھتی ہوئی بُرائیوں کے سیلاب کے آگے آخر کون بند باندھے گا؟ اور کیا قرآن و حدیث سے ایسی مثالیں نہیں ملتیں کہ بدکردار معاشروں پر جب عذاب نازل ہوا تو گندم کے ساتھ گھن بھی پِس گیا؟ کیا روزِ قیامت اللہ ربّ العزت کی عدالت میں یہ علماء کا جواب کفایت کرے گا کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ باہر کیا ہو رہا ہے‘ ہم تو بس تیرا دین پڑھا رہے تھے؟ جبکہ ہم نے علماء ہی سے سنا ہے کہ ایک عابد کی سینکڑوں سال کی عبادت اس لیے بری طرح رد کر دی گئی اور اسے بدترین سزا دی گئی‘ کیونکہ وہ اس سے لاتعلق تھا کہ اُس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے۔

ہم مدارس کے علماء کی نیت پر ہرگز شک نہیں کرتے‘ لیکن وہ کیوں نہیں سوچتے کہ جن طلبہ کو وہ اللہ اور رسول ﷺ کا دین سکھا رہے ہیں انہیں بالآخر معاشرے کا حصہ بن کر زندگی گزارنی ہے‘ جو اَخلاقی برائیوں‘ ضلالت اور دجل و فریب کا سمندر بن چکا ہے یہ بیچارے اپنا دامن کیسے بچائیں گے؟ کیا نمک کی کان میں داخل ہونے کے بعد نمک بننے سے بچا جا سکتا ہے؟ اور یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات مساجد سے ایسی ایسی خبریں آتی ہیں کہ نمازیوں کا بھی شرم سے سر جھک جاتا ہے۔ کیا ہم علماء کو یاد کرائیں گے کہ اللہ ربّ العزت نے یوم سبت کی خلاف ورزی کرنے والوں سے اور ان کے طرزِ عمل پر خاموش اور لاتعلق رہنے والوں سے کیا سلوک کیا؟

سیاسی علماء سے تو اسلام کے حوالے سے ہماری اُمیدیں خاک میں مل چکی ہیں‘ البتہ مدارس کے علماء سے ابھی کچھ اُمیدیں وابستہ ہیں۔ ہم اُن سے دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ وہ سیاسی علماء سے نجات حاصل کریں۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں جو ہمارا خالق و مالک ہی نہیں رازق اور واحد مشکل کشا بھی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں پانی ابھی سر سے نہیں گزرا۔ اب بھی یہ علماء کرام پاکستان میں وہ رول ادا کر سکتے ہیں جس سے پاکستان اسلامی فلاحی ریاست بن سکتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کا لایا ہوا دین اپنی آن بان اور شان سے پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنا سکتا ہے۔

❁ ❁ ❁

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الْمُؤمِن

تمہیدی کلمات

سورۃ المؤمن کا دوسرا نام ''سورۂ غافر'' بھی ہے۔ غافر (معاف کرنے والا) اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے جو اس سورت کی تیسری آیت میں آیا ہے۔ اسی طرح اس سے اگلی سورت یعنی سورۂ حٰمٓ السّجدۃ کا دوسرا نام سورۂ فُصِّلَت ہے۔ ان دو سورتوں کے علاوہ کئی اور سورتیں بھی ایسی ہیں جن کے دو دو نام ہیں۔ مثلاً سورۂ بنی اسرائیل کا دوسرا نام سورۃ الاسراء ہے' جو اس کی پہلی آیت سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ سے لیا گیا ہے۔ عرب ممالک میں چھپنے والے قرآن مجید کے نسخوں میں ان سورتوں کے نام الاسراء' غافر اور فُصِّلَتْ ہی لکھے جاتے ہیں۔

جیسا کہ قبل ازیں سورۃ الزمر کے تعارف میں بھی ذکر ہو چکا ہے' سورۃ الزمر اور سورۃ المؤمن کا آپس میں جوڑے کا تعلق ہے۔ اس لحاظ سے ان میں ایک مشابہت یہ بھی ہے کہ دونوں کے آغاز کی آیات (سورۃ الزمر کی پہلی اور سورۃ المؤمن کی دوسری آیت) ایک جیسی ہیں' ان میں صرف ''الحکیم'' اور ''العلیم'' کا فرق ہے ـــــ سورۃ المؤمن ان سات سورتوں میں سے پہلی سورت ہے' جن کا آغاز حٰمٓ سے ہوتا ہے۔ اس نسبت سے ان سورتوں کو ''حوامیم'' کہا جاتا ہے۔ ان میں سے سورۃ الشوریٰ کو البتہ یہ تخصیص بھی حاصل ہے کہ اس کی دوسری آیت بھی حروفِ مقطعات (عٓسٓقٓ) پر مشتمل ہے اور یوں اس کے آغاز میں پانچ حروفِ مقطعات ہیں۔ سورۃ المؤمن کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں جو اسمائے حسنیٰ آئے ہیں ان میں سے اکثر مرکب اضافی کی صورت میں ہیں۔ مثلاً غَافِرِ الذَّنْبِ' قَابِلِ التَّوْبِ اور شَدِیْدِ الْعِقَابِ۔

سورۃ الزمر سے مکی سورتوں کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے ان کا مرکزی مضمون یا عمود توحید ہے۔ البتہ اس کے ساتھ ساتھ ان سب سورتوں میں مکی سورتوں کے عام مضامین مثلاً آخرت'

رسالت' تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ بھی تکرار کے ساتھ آئے ہیں۔ علاوہ ازیں اس گروپ کی پہلی چار سورتیں (سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ) ''توحید عملی'' کے حوالے سے بہت اہم ہیں۔

''توحید عملی'' سے متعلق تفصیلی گفتگو اس سے پہلے سورۃ الزمر کے تمہیدی کلمات میں بھی کی جا چکی ہے۔ ہمارے ہاں خطبۂ جمعہ میں بالعموم یہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ وَحِّدُوا اللّٰہَ! یعنی اے لوگو! توحید کو اور کامل کرو' اور کامل کرو اور توحید اپنے عمل میں لاؤ! اس لیے کہ توحید صرف ایک عقیدہ ہی نہیں یا زبان سے چند الفاظ ادا کر دینے کا ہی نام نہیں بلکہ یہ بندۂ مؤمن کی عملی زندگی کا منشور ہے۔ چنانچہ ایک بندۂ مومن کو اس منشور کا ایک ایک نکتہ ہر وقت اپنے ذہن میں مستحضر رکھنے اور جہادِ زندگانی کے گھمسان میں اپنا ایک ایک قدم اس سے راہنمائی حاصل کر کے اٹھانے کی ضرورت ہے۔ لغوی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو باب تَفْعِیْل میں لفظ ''توحید'' بطور مصدر ''تدریج'' کے مفہوم کا حامل نظر آتا ہے۔ یعنی اس وزن پر دوسرے الفاظ مثلاً تعلیم' تبلیغ' ترویج وغیرہ کے اندر محنت اور مشقت سے کسی عمل کو مسلسل جاری رکھنے کا جو مفہوم پایا جاتا ہے لغوی طور پر وہی مفہوم لفظ توحید کے اندر بھی مضمر ہے۔ چنانچہ یوں سمجھیں کہ ''توحید'' عمر بھر کا ریاض ہے اور اس پر کاربند رہنے کے لیے محنتِ شاقہ اور جُہدِ مسلسل کی ضرورت ہے۔

زیر مطالعہ گروپ کی پہلی چار سورتیں (سورۃ الزمر' سورۃ المؤمن' سورۂ حٰمٓ السّجدۃ اور سورۃ الشوریٰ) توحید عملی کے مضمون کی وجہ سے آپس میں جڑی ہوئی ہیں۔ سورتوں کے اس نظم کے حوالے سے اس ''بیان القرآن'' کے ابتدا میں تعارفِ قرآن کے تحت تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ مختصراً اسے یوں سمجھ لیں کہ قرآن کی ہر آیت اپنی جگہ حکمت کا ایک موتی ہے۔ یہ موتی جب ایک لڑی (سورت) کی شکل میں پروئے جاتے ہیں تو ان کا حسن اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ جس طرح آیات کے موتیوں کو پرونے سے سورتیں بنتی ہیں اسی طرح مضامین کی مشابہت اور مماثلت کی بنا پر سورتوں کے گروپس بنتے ہیں۔ سورۃ الزمر کی آیت ۲۳ میں قرآن کو اسی لیے کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا کہا گیا ہے کہ اس کے مضامین اور الفاظ کی آپس میں گہری مشابہت ہے۔ البتہ جس طرح کسی خوبصورت ہار کو دیکھنے سے بظاہر اس کے موتی ہی نظر آتے ہیں اور ان موتیوں کو باہم مربوط کرنے والی ڈور نظروں سے پوشیدہ رہتی ہے اسی طرح مختلف گروپس کی سورتوں کو

باہم جوڑنے والے مضامین بھی عام طور پر نظروں سے اوجھل رہتے ہیں اور انہیں تلاش کرنے کے لیے محنت اور تدبّر درکار ہے۔ بہرحال زیرِ مطالعہ گروپ کی پہلی چار سورتوں کے خوبصورت ہار کو جس ڈور نے باہم مربوط کر رکھا ہے وہ توحید عملی کا مضمون ہے۔

اب ان چار سورتوں کے مرکزی مضمون (توحید عملی) کے اندر موجود ایک خاص ترتیب اور تدریج کو بھی سمجھ لیجیے۔ ان سورتوں میں ''توحید عملی'' کے تقاضوں کو ایک فرد سے تدریجاً اجتماعیت کی طرف بڑھایا گیا ہے۔ سب سے پہلے سورۃ الزمر میں توحید عملی کے ظاہری پہلو (عبادت) پر زور دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی عبادت کرو، اپنی اطاعت کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ پھر سورۃ المؤمن میں توحید عملی کے داخلی پہلو یعنی دعا کے بارے میں تاکید آئی ہے۔ اس اعتبار سے ان دونوں سورتوں کو آپس میں جوڑنے والی ڈور دین کو اللہ کے لیے خالص کرنے کا وہ حکم ہے جو دونوں سورتوں میں بار بار دہرایا گیا ہے۔ سورۃ الزمر میں ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾ کے الفاظ کی تکرار ہے، جبکہ سورۃ المؤمن میں ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ کے الفاظ بار بار دہرائے گئے ہیں۔ اس طرح ان دونوں سورتوں میں توحید عملی کو عبادت اور دعا کی صورت میں معاشرے کے پہلے درجے یعنی انفرادی سطح پر متعارف کرایا گیا ہے۔ پھر سورۂ حٰمٓ السّجدۃ میں دعوتِ توحید کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ دعوت و تبلیغ کی بھرپور تحریک کے ذریعے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو توحید کا قائل کیا جائے اور ان کے دلوں میں توحید کا سبق جاگزیں کرایا جائے۔ اور جب لوگوں کی ایک معقول تعداد عملی طور پر توحید پر کاربند ہو جائے تو پھر ان لوگوں کو منظّم کر کے نظامِ توحید کے قیام کی جدوجہد کے لیے تیار کیا جائے۔ اس ترتیب کے حوالے سے ہم دیکھیں گے کہ سورۂ حٰمٓ السّجدۃ میں دعوتِ توحید کی بات ہوگی اور پھر سورۃ الشوریٰ میں معاشرے کے اندر اجتماعی طور پر نظامِ توحید کے قیام (اقامتِ دین) کا حوالہ آئے گا۔

آیات ۱ تا ۹

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ مَا

يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۡ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ عَلَي الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۸﴾ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۹﴾

آیت ۱ ﴿حٰمٓ ①﴾ ''ح، م۔''

آیت ۲ ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ②﴾ ''نازل کیا جانا ہے اس کتاب کا اُس اللہ کی جانب سے جو زبردست ہے، صاحبِ علم ہے۔''

آیت ۳ ﴿غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ۭ﴾ ''(وہ اللہ کہ جو) بخشنے والا ہے گناہ کا، قبول کرنے والا ہے توبہ کا، سزا دینے میں بہت سخت ہے، وہ بہت طاقت اور قدرت والا ہے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ کی چار شانوں کا ذکر مرکب اضافی کی صورت میں ہوا ہے۔ آگے چل کر بھی اس سورت میں اسمائے حسنیٰ کے حوالے سے یہ انداز اور اسلوب نظر آئے گا۔

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③﴾ ''اُس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

یہاں یہ اہم نکتہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ اس سورت میں ''توبہ'' اور ''استغفار'' کا ذکر بار بار آئے گا، بلکہ اس حوالے سے فرشتوں کا ذکر بھی آئے گا کہ وہ بھی بندوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ سورۃ المؤمن کا سورۃ الزمر کے ساتھ چونکہ جوڑے کا تعلق ہے اس لیے ان دونوں سورتوں

کے بنیادی اور مرکزی مضمون میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس مماثلت کے حوالے سے قبل ازیں تمہیدی کلمات میں بھی وضاحت کی جا چکی ہے کہ سورۃ الزمر کا مرکزی مضمون ''توحید فی العبادت'' ہے اور سورۃ المؤمن کا مرکزی مضمون ''توحید فی الدعاء'' ہے۔ ''دعا'' کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ))(۱) یعنی دعا عبادت کا جوہر ہے۔ ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں: ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ))(۲) کہ دعا ہی اصل عبادت ہے۔ اس لحاظ سے توحید فی العبادت اور توحید فی الدعاء آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ چنانچہ جس طرح عبادت کے حوالے سے سورۃ الزمر میں بار بار ''مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ'' کی تکرار ہے' اسی طرح اس سورت میں ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ کی بار بار تاکید ہے۔ یعنی دعا کرو اللہ سے اُس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ ایسا نہ ہو کہ دعا تو اللہ سے مانگو اور اطاعت کسی اور کی کرو۔ اگر ایسا ہو گا تو یہ انتہائی بے تکی حرکت ہو گی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کو جزوی اطاعت قبول نہیں اسی طرح اسے اس شخص کی دعا سننا بھی منظور نہیں جو اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ کسی اور کی اطاعت کا طوق بھی اپنی گردن میں ڈالے ہوئے ہے۔ چنانچہ ایسے شخص کو چاہیے کہ جس ''معبود'' کی وہ اطاعت کرتا ہے' دعا بھی اُسی سے کرے۔

آج ہم پاکستانیوں کو من حیث القوم اس تناظر میں اپنی حالت کا بغور جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ آج ہم ہر میدان میں ذلیل و رسوا کیوں ہو رہے ہیں اور روز بروز ہمارے قومی و ملکی حالات بد سے بدتر کیوں ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں نہ صرف ہمارا ملک دولخت ہو گیا بلکہ بدترین شکست کا داغ بھی ہمارے ماتھے پر لگ گیا۔ آج ہماری حالت پہلے سے بھی بدتر ہے۔ اس وقت ہمارے باقی ماندہ ملک کی سلامتی بھی ڈانواں ڈول ہے۔ انتہائی خضوع و خشوع کے ساتھ مانگی گئی ہماری دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں اور رو رو کر کی گئی فریادیں بھی نہیں سنی جاتیں۔ یہ دراصل کوئی غیر متوقع اور غیر معمولی صورتِ حال نہیں بلکہ ہمارے اجتماعی و قومی رویّے کا منطقی نتیجہ ہے۔ اور یہ رویہ یا طرزِ عمل کیا ہے؟ آج ہم نے اپنی ترجیحات بدل لی ہیں' ہماری اطاعت اللہ کے لیے خالص نہیں رہی' بلکہ ہم اللہ کی اطاعت کو چھوڑ کر بہت سی دوسری

(۱) سنن الترمذی' ابواب الدعوات' باب منه۔

(۲) سنن الترمذی' ابواب تفسیر القرآن' باب ومن سورة البقرة۔ وسنن ابی داؤد' کتاب الصلاة' باب الدعاء۔

اطاعتوں کے غلام بن گئے ہیں۔ ہم نے اللہ کے نام پر یہ ملک اس وعدے کے ساتھ حاصل کیا تھا کہ اس ملک میں ہم اللہ کے دین کا بول بالا کریں گے۔ مگر آج ہم اللہ کے ساتھ کیے گئے اس وعدے سے پھر چکے ہیں۔ ایسی صورت حال میں وہ ہماری دعائیں کیونکر سنے گا؟ کیوں وہ ہماری فریاد رسی کرے گا اور کیوں ہماری مدد کو پہنچے گا؟ چنانچہ آج اصولی طور پر ہمیں چاہیے کہ ہم دعائیں بھی اُسی ''سپر پاور'' سے کریں جس کی اطاعت کا طوق اپنی گردنوں میں ڈالے پھرتے ہیں۔

آیت ۴ ﴿مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغُرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝۴﴾ ''نہیں جھگڑتے اللہ کی آیات میں مگر وہی لوگ جو کفر کرتے ہیں' تو (اے نبی ﷺ!) زمین میں ان کی چلت پھرت آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔''

یہاں حضور ﷺ کو مخاطب کر کے سب مسلمانوں کو سمجھانا مقصود ہے کہ اے مسلمانو! ان غیر مسلموں کے مادی وسائل' اُن کی طاقت' ترقی اور ٹیکنالوجی تمہیں مرعوب نہ کرے۔ دیکھو! کسی دنیوی ''سپر پاور'' کے دھوکے میں آ کر کہیں تم اللہ کی قدرت اور طاقت کو بھول نہ جانا!

آیت ۵ ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ﴾ ''ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے جھٹلایا تھا اور ان کے بعد بہت سی دوسری قوموں نے بھی۔''

﴿وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ﴾ ''اور ہر قوم نے اپنے رسول کے متعلق ارادہ کیا کہ اُسے پکڑ لے (اور قتل کر دے)''

﴿وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵﴾ ''اور وہ باطل (دلیلوں) کے ساتھ جھگڑتے رہے تاکہ اس کے ذریعے حق کو پسپا کر دیں' بالآخر میں نے انہیں پکڑ لیا' تو کیسی رہی میری سزا؟''

آیت ۶ ﴿وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶﴾ ''اور اسی طرح ان کافروں پر بھی آپ کے رب کی بات پوری ہو چکی ہے کہ یہ سب کے سب جہنمی ہیں۔''

اللہ کے جس قانون کی زد میں زمانہ ماضی کے کفار آئے تھے اب وہی قانون مشرکینِ عرب پر بھی لاگو ہو چکا ہے۔

آیت ۷ ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ﴾ ''وہ (فرشتے) جو عرش کو اٹھائے

ہوئے ہیں اور وہ جوان کے اردگرد ہیں‘‘

اس آیت کو پڑھتے ہوئے سورۃ الزمر کی آخری آیت کو ذہن میں رکھیے جس میں میدانِ حشر میں عدالتِ الٰہی کا اختتامی منظر دکھایا گیا تھا: ﴿وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ﴾ ’’اور تم دیکھو گے فرشتوں کو کہ وہ گھیرے ہوئے ہوں گے عرش کو اور اپنے ربّ کی تسبیح بیان کر رہے ہوں گے حمد کے ساتھ‘‘۔ چنانچہ یہاں ان حاملین عرش اور ان کے ساتھی ملائکہ کا ذکر دوبارہ ہو رہا ہے کہ:

﴿يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ ’’وہ سب تسبیح کر رہے ہوتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور اُس پر پورا یقین رکھتے ہیں‘‘

﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ﴾ ’’اور اہلِ ایمان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔‘‘

﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا﴾ ’’اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے‘‘

﴿فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ﴾ ’’پس بخش دے تُو اُن لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستے کی پیروی کی‘‘

اے پروردگار! ہم تجھ سے کیا عرض کریں؟ تجھے ہر شے کا علم ہے‘ تیری رحمت پہلے ہی ہر چیز کو اپنی گود میں لیے ہوئے ہے۔ پھر بھی ہم تجھ سے تیری رحمت کی درخواست کرتے ہیں اور اہلِ زمین میں سے جو مؤمنین اور نیک لوگ ہیں ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ اے پروردگار! تو ان کی خطائیں بخش دے اور ان کے گناہوں سے درگزر فرما! اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن مؤمنین کے حق میں فرشتے بھی شفاعت کریں گے۔ یہ شفاعتِ حقّہ ہے۔

﴿وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑦﴾ ’’اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچالے۔‘‘

آیت ۸ ﴿رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ﴾ ’’پروردگار! اور انہیں داخل فرمانا اُن رہنے والے باغات میں جن کا تُو نے ان سے وعدہ کیا ہے‘‘

﴿وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑧﴾ ’’اور (ان کو بھی) جو نیک ہوں ان کے آباء واَجداد‘ ان کی بیویوں اور ان

کی اولاد میں سے۔ تُو یقیناً زبردست ہے‘ کمالِ حکمت والا ہے۔‘‘

آیت ۹ ﴿وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ﴾ ’’اور انہیں بچا لے برائیوں سے۔ اور جسے تُو نے اس دن برائیوں سے بچالیا اس پر تُو نے بڑا رحم کیا۔‘‘

﴿وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨﴾ ’’اور یقیناً یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘

آیات ۱۰ تا ۲۲

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝۱۰ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۱۱ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝۱۲ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ۝۱۳ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۱۴ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝۱۵ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۥ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝۱۶ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۱۷ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۥ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ۝۱۸ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝۱۹ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۲۰ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۲۱ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۲

گزشتہ آیات میں مؤمنینِ صادقین کے حالات کا نقشہ دکھایا گیا ہے کہ قیامت کے دن حاملینِ عرش ملائکہ ان کی مغفرت کے لیے دعائیں کر رہے ہوں گے۔ نہ صرف ان کے لیے بلکہ وہ ان کے آباء واَجداد اور اہل وعیال کے لیے بھی سفارش کریں گے کہ ان میں سے اگر کوئی جنت کے نچلے درجے میں ہے تو اے پروردگار! تو اس کے درجات کو بھی بلند فرما دے تاکہ وہ اپنے ان عزیز واقارب کے ساتھ مل جائے جنہیں بلند تر درجات عطا ہوئے ہیں۔ اب ان آیات میں اس کے برعکس کفار ومشرکین کے حالات کا منظر دکھایا جا رہا ہے:

آیت ۱۰ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰہِ اَکْبَرُ مِنْ مَّقْتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ﴾ ’’جن لوگوں نے کفر کیا تھا انہیں پکارا جائے گا کہ آج تم جس قدر اپنی جانوں سے بے زار ہو گئے ہو اللہ کی بیزاری تم سے اس سے کہیں بڑھ کر تھی‘‘

﴿اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَی الْاِیْمَانِ فَتَکْفُرُوْنَ ۝۱۰﴾ ’’جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم کفر کرتے تھے۔‘‘

آج عذاب کی حالت میں تمہاری جان پر بنی ہوئی ہے اور تم اپنی جانوں سے بیزار ہو کر موت کی دعائیں کر رہے ہو۔ مگر یاد کرو وہ وقت جب اللہ کا رسول تمہیں اللہ کی طرف اور قرآن کی طرف بلا رہا تھا اور تمہیں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ دکھا رہا تھا تو تم مسلسل انکار کیے جا رہے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ تم سے جس قدر بیزاری محسوس کر رہا تھا وہ تمہاری اس بیزاری سے کہیں زیادہ تھی جو تم لوگ آج اپنی جانوں سے محسوس کر رہے ہو۔

آیت ۱۱ ﴿قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ﴾ ’’وہ فریاد کریں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو دفعہ مارا اور دو دفعہ زندہ کیا‘‘

﴿فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَھَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ۝۱۱﴾ ’’تو اب ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے‘ تو کیا اب یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے؟‘‘

یعنی اگر ہم اس سے پہلے اتنے مراحل سے گزر آئے ہیں تو اب اس مرحلے سے بھی گزرنے کا کوئی طریقہ تو ہو گا۔ تو اے پروردگار! ایک دفعہ ہمیں اس عذاب سے جان چھڑانے کا موقع بھی فراہم کر دے۔

تخلیقِ انسانی اور حیاتِ انسانی کی حقیقت کے ضمن میں اس آیت کا مضمون پورے قرآن

میں ذروۂ سنام کا درجہ رکھتا ہے۔ اگرچہ یہ مضمون قرآن میں متعدد بار آ چکا ہے لیکن اس قدر واضح انداز میں اور کہیں نہیں آیا۔ مثلاً سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا: ﴿کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ۚ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۸﴾ ’’تم کیسے کفر کرتے ہو اللہ کا‘ حالانکہ تم مردہ تھے تو اُس نے تمہیں زندہ کیا‘ پھر وہ تمہیں مارے گا‘ پھر زندہ کرے گا‘ پھر تم اُسی کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے‘‘۔ اگرچہ سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں بھی دو احیاء اور دو اموات کا ذکر ہے مگر مختلف مفسّرین نے ان الفاظ کی تاویل مختلف انداز میں کی ہے۔ البتہ آیت زیر مطالعہ اپنے مفہوم میں اس قدر واضح ہے کہ اس کی وضاحت کے لیے کسی تعبیر اور تاویل کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس آیت کے حوالے سے یہاں حیاتِ انسانی کے مختلف ادوار کو اچھی طرح سے سمجھ لیجیے۔

ہر انسان کی پہلی تخلیق اُس وقت عمل میں آئی جب عالَمِ ارواح میں اس کی روح پیدا کی گئی۔ عالم ارواح کی یہ زندگی پورے شعور کے ساتھ تھی۔ اسی لیے تو وہاں تمام ارواح سے وہ عہد لیا گیا تھا جس کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ میں ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۚ﴾ کے الفاظ کے ساتھ ہوا ہے۔ اس عہد کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کی رُوح سے لے کر دنیا کے آخری انسان کی روح تک تمام ارواح حاضر وموجود تھیں۔ عالَمِ ارواح میں ارواح کے اس عظیم الشان اجتماع کی کیفیت ایک حدیث میں ’’جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ‘‘[1] (لشکروں کے لشکر) کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ مذکورہ عہد لینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو موت کی نیند سلا دیا۔ یہ ہر انسان کی پہلی موت (اماتۃ اولیٰ) تھی جو عالَمِ ارواح میں اس پر وارد ہوئی۔ اس طرح تمام ارواح کو گویا ایک کولڈ سٹوریج میں محفوظ کر دیا گیا۔ چنانچہ جو ارواح ابھی تک دنیا میں نہیں آئیں وہ ابھی تک اسی کیفیت میں ہیں۔ علامہ اقبالؔ نے اس کیفیت کا عجیب نقشہ کھینچا ہے مگر یہ ایسی تفصیل کا موقع نہیں۔

پھر جب عالَمِ خلق (ماں کے پیٹ) میں کسی انسان کے جسم کا لوتھڑا تیار ہو جاتا ہے تو اس کی روح کو عالَمِ ارواح سے اس لوتھڑے میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اس جسم میں منتقل ہونے کے بعد جب روح ’’آنکھ‘‘ کھولتی ہے تو یہ اس روح کا ’’احیائے اوّل‘‘ ہے۔ اس کے بعد وہ انسان

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب احادیث الانبیاء‘ باب الارواح جنود مجندۃ۔ وصحیح مسلم‘ کتاب البر والصلۃ والآداب‘ باب الارواح جنود مجندۃ۔

ماں کے پیٹ سے دنیا میں وارد ہوتا ہے۔ ایک معین عرصے تک دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے اور اس کے بعد مر جاتا ہے۔ چنانچہ دُنیوی زندگی کی یہ موت اس انسان یا روح کی دوسری موت (اماتۃ ثانیہ) ہے۔ اس موت کے بعد وہ روح عالمِ برزخ میں چلی جاتی ہے' جبکہ جسم اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے یعنی مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پوری نوعِ انسانی کی ارواح اپنی اپنی باری پر زندہ ہو کر دنیا میں آتی جائیں گی اور یہاں اپنے اپنے جسم کے ساتھ زندگی گزار کر ''دوسری موت'' کے بعد عالم برزخ کو سدھارتی جائیں گی۔

اس کے بعد جب قیامت برپا ہو گی تو ہر انسان کی روح کو ایک دفعہ پھر اس کے دنیوی جسم سے ملا کر زندہ کر دیا جائے گا۔ یہ تمام انسانوں کا ''احیائے ثانی'' ہو گا۔ چنانچہ جب میدانِ حشر میں اللہ کی عدالت لگے گی تو مجرم لوگ آیت زیر مطالعہ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو دفعہ زندہ کیا۔ عالم ارواح سے دنیا کی زندگی تک اور دنیا کی موت کے بعد قیامت کے اس دن تک کئی ادوار ہم پر گزر چکے' تو اے ہمارے پروردگار! اب ایک دور اور سہی۔ ایک مرتبہ پھر ہم پر کرم فرمایا جائے اور ہمیں ایک موقع اور دے دیا جائے۔ یعنی وہ لوگ اپنی سابقہ زندگی کے مختلف ادوار کو دلیل بنا کر ایک اور دور کی رعایت حاصل کرنے کی درخواست کریں گے۔

آیت ۱۲ ﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ﴾ ''یہ اس لیے ہے کہ جب اکیلے اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے۔''

﴿وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ﴾ ''اور اگر اس کے ساتھ شرک کیا جاتا تو تم مان لیتے۔''

﴿فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝۱۲﴾ ''تو اب کُل اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جو بہت بلند' بہت عظمت والا ہے۔''

آیت ۱۳ ﴿هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ رِزْقًا ۭ﴾ ''وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور اتارتا ہے تمہارے لیے آسمان سے روزی۔''

اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برساتا ہے اور بارش کا پانی زمین سے روزی پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔

﴿وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ۝۱۳﴾ ''اور نہیں نصیحت حاصل کرتا مگر وہی جو رجوع کرتا ہے (اللہ کی طرف)۔''

آیت ۱۴ ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۱۴﴾ ''پس تم پکارو اللہ کو اُسی کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے' خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔''

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کے یہ کلمات سورۃ الزمر اور اس سورت کے درمیان مماثلت اور مشابہت کی علامت ہیں۔ دونوں سورتوں میں یہ کلمات بار بار آئے ہیں۔ ظاہر ہے توحید خالص کا عملی مظاہرہ اللہ کے نافرمانوں اور طاغوتی کارندوں کو تو کبھی بھی اچھا نہیں لگے گا۔ وہ تو چاہیں گے کہ ''اللہ کا حصہ اللہ کو دیا جائے اور قیصر کا حصہ قیصر کو!'' یعنی توحید کا ذکر بھی ہوتا رہے اور کاروبارِ شرک بھی چلتا رہے۔ کبھی کبھار کوئی حکم اللہ کا بھی مان لیا جائے' مگر ساتھ ہی ساتھ دوسرے خداؤں اور حاجت رواؤں کو بھی خوش رکھا جائے۔

آیت ۱۵ ﴿رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ﴾ ''(وہی اللہ ہے) درجات کو بلند کرنے والا' عرش کا مالک۔''

یہاں پھر اللہ کی شان کا بیان مرکب اضافی کی شکل میں ہوا ہے۔

﴿يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝۱۵﴾ ''وہ القا کرتا ہے روح کو اپنے امر میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے تاکہ وہ خبردار کر دے (لوگوں کو) ملاقات کے دن سے۔''

تاکہ اللہ تعالیٰ کے وہ بندے لوگوں کو یاددہانی کرائیں کہ ایک دن انہوں نے اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے۔ یہاں پر الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ سے وحی مراد ہے۔ فرشتۂ وحی اور انسانی روح تینوں کا تعلق عالمِ امر سے ہے' لہٰذا ''روح'' کا لفظ ان تینوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

آیت ۱۶ ﴿يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ﴾ ''جس روز یہ سامنے نکل کھڑے ہوں گے' ان کی کوئی چیز بھی اللہ سے مخفی نہیں ہو گی۔''

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ﴾ ''(اُس روز پوچھا جائے گا:) کس کے لیے ہے بادشاہی آج کے دن؟

﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝۱۶﴾ ''(جواب ملے گا:) اکیلے اللہ کے لیے ہے جو تمام

کائنات پر چھایا ہوا ہے۔‘‘

آیت ۱۷ ﴿اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا کَسَبَتْ ؕ﴾ ’’آج ہر جان کو وہی بدلہ دیا جائے گا جو اُس نے کمایا۔‘‘

﴿لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾﴾ ’’آج کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ یقیناً اللہ جلد حساب چکا دینے والا ہے۔‘‘

آیت ۱۸ ﴿وَاَنْذِرْھُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَۃِ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) انہیں خبردار کر دیجئے اس نزدیک آ جانے والے دن سے‘‘

﴿اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ کٰظِمِیْنَ ؕ﴾ ’’جبکہ دل حلق میں آ پھنسیں گے اور وہ غم کو دبا رہے ہوں گے۔‘‘

﴿مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ﴿۱۸﴾﴾ ’’ان ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارشی ہوگا جس کی بات مانی جائے۔‘‘

آیت ۱۹ ﴿یَعْلَمُ خَآئِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾﴾ ’’وہ جانتا ہے نگاہوں کی چوری کو بھی‘ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے اس کو بھی۔‘‘

آیت ۲۰ ﴿وَاللّٰہُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ ؕ﴾ ’’اور اللہ فیصلہ کرے گا حق کے ساتھ۔‘‘

﴿وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَقْضُوْنَ بِشَیْءٍ ؕ﴾ ’’اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں‘ وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کریں گے۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۲۰﴾﴾ ’’یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا‘ سب کچھ دیکھنے والا ہے۔‘‘

آیت ۲۱ ﴿اَوَ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ قَبْلِھِمْ ؕ﴾ ’’کیا یہ زمین میں گھومے پھرے نہیں ہیں کہ دیکھتے کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے!‘‘

﴿کَانُوْا ھُمْ اَشَدَّ مِنْھُمْ قُوَّۃً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ﴾ ’’وہ کہیں زیادہ بڑھ کر تھے ان سے قوت میں اور زمین میں آثار کے حوالے سے بھی‘‘

انہوں نے زمین میں بڑی بڑی عمارتیں اور بہت سی دوسری ایسی یادگاریں بنائیں جو ان کے بعد بھی ان کی نشانیوں کے طور پر موجود رہی ہیں۔ اقوامِ ماضی کے ایسے بہت سے آثار آج بھی دنیا میں جا بجا موجود ہیں جنہیں ہم آثارِ قدیمہ کہتے ہیں۔

﴿فَاَخَذَھُمُ اللّٰہُ بِذُنُوْبِھِمْ ؕ﴾ ’’تو اللہ نے ان کو پکڑا ان کے گناہوں کی پاداش میں۔‘‘

﴿وَمَا کَانَ لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾﴾ ’’اور پھر کوئی نہ ہوا انہیں اللہ سے بچانے والا۔‘‘

آیت ۲۲ ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَانَتْ تَّاْتِیْھِمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ﴾ ’’یہ اس لیے ہوا کہ ان کے پاس آتے رہے ان کے رسول بہت واضح نشانیوں کے ساتھ‘‘

﴿فَکَفَرُوْا فَاَخَذَھُمُ اللّٰہُ ؕ اِنَّہٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾﴾ ’’لیکن انہوں نے کفر کیا تو اللہ نے انہیں پکڑ لیا‘ یقیناً وہ بہت طاقتور‘ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔‘‘

❁❁❁

ایک مسلمان سے دین کے تین اہم تقاضے

مُطالباتِ دین

- عبادتِ رب
- فریضہ شہادت علی الناس
- فریضہ اقامتِ دین

ڈاکٹر اسرار احمد

صفحات: 120 قیمت: 90 روپے

سلسلہ وار دروسِ قرآن (۱۴)

بندۂ مؤمن کے تکمیلی اوصاف

شجاع الدین شیخ ☆

آج ہم سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی روشنی میں ''بندۂ مؤمن کے تکمیلی اوصاف'' پر گفتگو کرنے کی کوشش کریں گے۔ سب سے پہلے اس رکوع کی آیات کا تجزیہ کرتے ہیں۔ آیات ۶۱، ۶۲ میں ایمان باللہ کا بیان ہے۔ آیات ۶۳ تا ۶۷ بندۂ مؤمن کے پانچ تکمیلی اوصاف پر مشتمل ہے۔ آیات ۶۸ تا ۷۱ میں کبیرہ گناہ کی سزا اور سزا سے بچنے کے لیے توبہ کا ذکر ہے۔ آیات ۷۲ تا ۷۴ میں بندۂ مؤمن کے مزید تکمیلی اوصاف کا بیان ہے۔ آیات ۷۵، ۷۶ میں رحمٰن کے محبوب بندوں کے حسین انجام کا ذکر ہے اور آخری آیت ۷۷ میں ایمان بالرسالت کا بیان ہے۔

ایمان باللہ اور مظاہرِ قدرت پر غور وفکر

آیت ۶۱ میں ایمان باللہ کے ضمن میں پہلی بات ارشاد ہوئی: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾﴾ ''بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس (آسمان) میں ایک چراغ روشن کیا (یعنی سورج) اور ایک روشن چاند بنایا''۔ لفظ تَبٰرَكَ کے لغوی معنی بہت بابرکت ہونا ہے۔ کسی شے کی خیر کی کثرت کو برکت کہا جاتا ہے۔ دینی اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شے میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت شامل ہو جائے اور اس میں اضافہ ہونا شروع ہو جائے۔ اس کے اصطلاحی معنی ایسی ہستی کے ہیں جو کسی شے کی خیر کو ظاہر کر دے، جو یقیناً اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے۔ لفظ ''برج'' کا لغوی معنی ہے نمایاں ہونا، مثلاً شہر کے گرد فصیل پر ستون اور مینار۔ قرآن مجید نے سورۃ

☆ معاون برائے مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت، تنظیم اسلامی

الاحزاب کی آیت ۳۳ میں لفظ تَبَرُّج استعمال کیا ہے جس کے معنی خود کو نمایاں کرنا ہے۔ وہاں فرمایا گیا: ﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی﴾ ''اور اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہو اور دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو''۔ بُرج کے اصطلاحی معنی ستارے کے ہیں جو آسمان کی سجاوٹ اور زیب وزینت کا ذریعہ ہیں اور یہاں لفظ بُروج اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

آیت ۶۲ میں ارشاد ہوا: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾﴾ ''اور اُسی نے بنایا رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا اُس کے لیے جو یاددہانی حاصل کرنا یا (اللہ کا) شکرگزار ہونا چاہے''۔ یہاں لفظ خِلْفَةً رات اور دن کی گردش کے لیے استعمال ہوا ہے۔ آیاتِ الٰہی پر غور وفکر کے لیے ایک لفظ تذکّر آیا جس سے انسان کی توجہ خالق کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ دوسرا لفظ تدبّر ہے جس کے نتیجے میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ تمام مظاہر قدرت انسان کے فائدے کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں۔ اس سے انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بھی پیدا ہوگی اور یہ بھی پتا چلے گا کہ جب یہ سارے مظاہر ہمارے فائدے کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں تو ہمیں بھی اللہ ربّ العزت نے بامقصد پیدا کیا ہے اور وہ مقصد اللہ کی بندگی ہے۔

(۱) تواضع وانکساری

اگلی آیات میں بندۂ مؤمن کے تکمیلی اوصاف کا بیان آرہا ہے۔ آیت ۶۳ میں فرمایا گیا: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾﴾ ''اور رحمٰن کے بندے زمین پر چلتے ہیں آہستگی سے اور جب ان سے اُلجھتے ہیں جذباتی لوگ تو وہ کہتے ہیں سلام'' ۔ اللہ کے محبوب بندوں کو یہاں ''عباد الرحمٰن'' کہہ کر پکارا گیا۔ کسی بھی انسان کے لیے لفظ ''عبد'' اللہ تعالیٰ کو بہت ہی عزیز ہے۔ اس نے اپنے پیغمبروں اور سید المرسلین ﷺ کے لیے بھی یہی لفظ کئی مرتبہ قرآن میں استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ شرک کی جڑ کو کاٹتا ہے اور انسان کے مقصدِ تخلیق یعنی عبادت کو ظاہر کرتا ہے۔ انسانی تاریخ میں کچھ لوگوں کو (معاذ اللہ!) خدا کا درجہ دے دیا گیا، حالانکہ سب اللہ کے بندے اور مخلوق ہیں۔ عبد کہنے میں بندہ کے مقصدِ حیات کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ تم بندے ہو اور اللہ نے تمہیں اپنی بندگی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

''عبادالرحمٰن'' کی پہلی صفت تواضع وانکساری بیان کی گئی ہے۔عبادالرحمٰن کی چال ظاہر کرتی ہے کہ وہ خود کو آقا نہیں' بلکہ بندہ سمجھتے ہیں۔انسان کے گفتگو کا انداز' اس کے چہرے کے تاثرات اور چلنے کے انداز سے بھی اس کے اندر کی کیفیات سامنے آجاتی ہیں' جسے ہم تکبّر کہتے ہیں۔رحمٰن کے بندے' بندوں کی طرح زمین پر چلتے ہیں' تکبّر کا اظہار نہیں کرتے۔انہیں معلوم ہے کہ تکبّر اللہ کو پسند نہیں ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ کِبْرٍ))(صحیح مسلم)''ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی تکبّر ہوگا''۔اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔

(۲) اُلجھنے سے گریز

دوسری صفت دعوت وتبلیغ کے حوالے سے حکمت اختیار کرنا اور مخاطب سے اُلجھنے سے گریز کرنا ہے' یعنی وہ موقع ومحل کے اعتبار سے دوسروں کو دعوت پہنچاتے ہیں۔بزرگوں نے کہا ہے کہ حق بات حق نیت سے حق انداز میں حق موقع پر کہنی چاہیے اور اگر سننے والا بحث پر آمادہ ہو جائے تو بڑی خوبصورتی سے سلام کہہ کر الگ ہو جانا چاہیے۔بحث مثبت بھی ہوسکتی ہے' لیکن جب یہ محسوس ہو کہ لوگ لڑنے پر آمادہ ہوگئے ہیں اور بحث برائے بحث ہو رہی ہے تو عبادالرحمٰن اپنے اوقات کی حفاظت کرتے ہیں اور ان سے اُلجھنے کے بجائے باعزت طریقے سے سلام کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں تاکہ آئندہ بھی بات کرنے کا موقع رہے۔اینٹ کا جواب پتھر سے دے کر دعوت کا کام نہیں کیا جاسکتا۔کسی نے بڑی پیاری بات کہی ہے ؎

مذہبی بحث کبھی کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں!

سورۃ المزمل میں بعینہٖ اسی بات کا رسول اللہ ﷺ کو بایں الفاظ حکم دیا گیا ہے:﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ۝۱۰﴾''اے نبی ﷺ صبر کیجیے ان کی باتوں پر اور ان سے کنارہ کشی کیجیے خوبصورتی سے۔''

(۳) قیام اللّیل کے خوگر

آیت ۶۴ میں فرمایا گیا:﴿وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ۝۶۴﴾''اور جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام کرتے ہوئے''۔عبادالرحمٰن کی تیسری صفت

تہجد کا اہتمام ہے۔فرض نمازوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ قُربِ الٰہی کے حصول کے لیے رات کی تنہائی میں نمازِ تہجد ادا کرتے ہیں۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا مَضٰی شَطْرُ اللَّیْلِ أَوْ ثُلُثَاهُ یَنْزِلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی إِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَیَقُوْلُ: هَلْ مِنْ سَائِلٍ یُعْطٰی؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ یُسْتَجَابُ لَهُ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ یُغْفَرُ لَهُ؟ حَتّٰی یَنْفَجِرَ الصُّبْحُ)) (صحیح مسلم)

''جب آدھی رات یا رات کا تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ پہلے آسمان پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ ہے کوئی مانگنے والا کہ اسے عطا کیا جائے؟ ہے کوئی دعا مانگنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے؟ ہے کوئی مغفرت مانگنے والا کہ اسے بخش دیا جائے؟ یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اس پکار سے استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔سورۃ الذاریات میں جنتی لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا:﴿كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ۝۱۷ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۱۸﴾''وہ رات کے تھوڑے حصے میں سوتے تھے' اور اوقاتِ سحر میں بخشش مانگا کرتے تھے''۔اللہ تعالیٰ ہمیں جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔

(۴) جہنم کا خوف اور اُس سے پناہ مانگنا

آیات ۶۵'۶۶ میں عبادالرحمٰن کی چوتھی صفت کے بارے میں فرمایا گیا:﴿وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝۶۵ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝۶۶﴾''اور جو دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! دوزخ کا عذاب ہم سے دور کردے' بیشک اس کا عذاب چمٹنے والا ہے۔دوزخ یقیناً بری جگہ ہے مستقل رہنے کے اعتبار سے اور عارضی قیام کے اعتبار سے بھی''۔گویا عبادالرحمٰن کی چوتھی صفت جہنم کے عذاب کا خوف ہے۔نیکیوں اور عبادات کے باوجود عبادالرحمٰن جہنم میں جانے کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔انہیں اپنی عبادت پر نہ ناز ہے اور نہ وہ تکبّر کرتے ہیں۔انہیں یہ اندیشہ رہتا ہے کہ ان کی عبادت اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوگی یا نہیں — جہنم انتہائی بُری جگہ ہے' خواہ وہاں کسی نے ہمیشہ رہنا ہو یا عارضی طور پر قیام کرنا ہو۔عام طور پر ہمارا مشاہدہ ہے کہ بری سے بری

جگہ پر بھی انسان تھوڑی دیر کے لیے چلا جائے تو یہ تبدیلی اس کے لیے تفریح کا ذریعہ بن جاتی ہے' لیکن جہنم کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ دنیا کی تکلیف وقتی اور ختم ہو جانے والی ہے' جبکہ جہنم کا عذاب دائمی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم کے عذاب سے محفوظ فرمائے۔

(۵) خرچ میں میانہ روی

آیت ۶۷ میں ارشاد ہوا: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾﴾ ''اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان کی روش اعتدال کی ہوتی ہے''۔ یہ عباد الرحمٰن کی پانچویں صفت ہے۔ ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے لیے انتہائی احتیاط اور کفایت شعاری سے مال خرچ کرتے ہیں' اسراف نہیں کرتے۔ اسراف کا مطلب اس چیز پر خرچ کرنا ہے جو ضروری تو ہے لیکن اس پر ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے۔ اتنے کنجوس بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت دے رکھی ہے اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے بلکہ درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں۔ نمود و نمائش کے لیے نہ زیادہ خرچ کرتے ہیں اور نہ ہی مال جمع کرنے کی ہوس میں بخل سے کام لیتے ہیں۔

(۶) کبیرہ گناہوں سے اجتناب

آیت ۶۸ میں فرمایا گیا: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾﴾ ''اور وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور وہ کسی جان کو قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ (یعنی شریعت کے حکم)' اور بدکاری نہیں کرتے۔ اور جو یہ کام کرے گا اس کا وبال پائے گا''۔ اس آیت میں کبیرہ گناہوں میں سے تین گناہوں کا ذکر آیا ہے۔ اس کی حکمت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ بندۂ مؤمن کی تکمیلی صفات کے درمیان ان کبیرہ گناہوں کا ذکر کیوں آیا۔ نوٹ کر لیجیے کہ کسی شے کی ضد پر غور کیا جائے تو اس شے کی اصل اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔ دن کی روشنی کی اہمیت اسے سمجھ میں آتی ہے جس نے رات کی تاریکی کو دیکھا ہو۔ اب عمدہ صفات کے بالمقابل تین بڑے گناہوں' شرک' قتل ناحق اور زنا سے اجتناب کا ذکر آیا ہے۔ اولین دور میں یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بنیادی صفات تھیں۔ اس معاشرے میں شرک' قتل ناحق اور زنا جیسے گناہوں کا ارتکاب ہوتا تھا۔ صحابہؓ اس معاشرے میں

رائج ان گناہوں سے بھی بچے ہوئے تھے۔ اس سے ان کی عظمت نکھر کر سامنے آتی ہے۔

اس میں ہمارے لیے اہم بات یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت کا محبوب بندہ بننے کے لیے صرف نیکیاں کرنا ہی کافی نہیں' بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں جن باتوں سے روکا ہے' ان سے بچنا بھی ضروری ہے۔ پہلا گناہ یہاں شرک کا بیان ہوا ہے۔ شرک انسان کی سوچ کو غلط رخ پر موڑ دیتا ہے۔ اس کے پورے کردار کی تعمیر ہی ایک ٹیڑھی بنیاد پر استوار ہوتی ہے۔ شرک کا عقیدہ رکھنے اور اس پر عمل کرنے سے کردار میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد قتلِ ناحق کا ذکر آیا۔ ایک انسان اگر ناحق دوسرے انسان کو قتل کر دے تو گویا وہ پوری انسانیت اور تمدن کو قتل کرتا ہے۔ سورۃ المائدۃ میں ارشاد ہوا: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ﴾ (آیت ۳۲) ''جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا زمین میں فساد کرنے کی سزا دی جائے' اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی جان کو سلامتی دی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو سلامتی دی''۔ شریعت میں ''بِالْحَقِّ'' کی مصداق چند صورتیں ہیں' یعنی ان صورتوں میں کسی انسان کی جان لی جا سکتی ہے۔ شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا' قاتل کی بطور قصاص جان لینا' حربی قاتل کو قتل کرنا' گستاخِ رسول ﷺ کو قتل کرنا' دین سے مرتد ہونے والے کو قتل کرنا' رہزن اور اسلامی حکومت کے باغی کو قتل کرنا۔ لیکن یہ سارے معاملات ریاست اسلامی کے اختیار کے تحت طے کیے جائیں گے۔

تیسرے نمبر پر زنا کا ذکر آیا ہے۔ زنا کی وجہ سے پورا معاشرہ ناپاک ہو جاتا ہے اور ذمہ دار اور خدا ترس رجالِ کار سے محروم ہو جاتا ہے۔ جب زنا کے دھندے عام ہو جائیں اور خاندانی نظام برباد ہو جائے تو اول تو اولاد ہی پیدا نہیں ہوتی اور اگر پیدا ہو بھی تو شکوک و شبہات کی بنا پر اسے ماں کی شفقت اور باپ کی محبت سے محرومی ہو جاتی ہے اور معاشرہ ذمہ دار افراد سے محروم ہو جاتا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا: ''اور جو یہ کام کرے گا' اس کا وبال پائے گا''' یعنی اس کو سزا مل کر رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے' خواہ وہ صغیرہ گناہ ہوں یا کبیرہ۔

عذابِ قبر سے پناہ مانگنا

آیت ۶۹ میں ارشاد ہوا: ﴿يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾﴾ ''بڑھایا جائے گا اس کے لیے عذاب روزِ قیامت اور ذلت وخواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا''۔ یہاں عذابِ قبر کی طرف اشارہ ہو رہا ہے جسے روزِ قیامت مزید بڑھا دیا جائے گا۔ قرآن کریم میں عذابِ قبر کے حوالے سے اشارات ملتے ہیں جبکہ احادیث میں ان کی تفصیلات ملتی ہیں۔ عذابِ قبر کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ دعا سکھائی ہے: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ)) ''اے اللہ! میں عذاب قبر سے آپ کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں۔''

توبہ کی وسعت واہمیت

آیات ۷۰،۷۱ میں فرمایا گیا: ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾﴾ ''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے' تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں میں بدل دے گا' اور اللہ بخشنے والا' مہربان ہے۔ اور جو توبہ کرتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے تو بیشک وہی اللہ کے سامنے سچی توبہ کرتا ہے''۔ ان آیات میں توبہ اور اس کی افادیت کا بیان آیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی ہے کہ توبہ کا دروازہ بھی کھلا ہے اور وہ توبہ قبول فرما کر گناہوں کو بخشنے والا بھی ہے۔ توبہ کا معنی متوجہ ہونا ہے۔ یہ لفظ اللہ اور بندے دونوں کے لیے آتا ہے۔ بندے کا متوجہ ہونا اللہ سے معافی مانگنا ہے اور اللہ کا متوجہ ہونا بندے پر نظرِ کرم اور رحمت فرمانا ہے۔ اکثر مذاہب میں توبہ کا تصور نہیں' بلکہ مادی اور اخلاقی قوانین کو یکساں مانا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ طبعی قوانین اور اخلاقی قوانین کے اپنے اپنے نتائج ہوتے ہیں۔ دنیا میں طبعی قوانین کا لازماً اثر ہوتا ہے' لیکن اخلاقی قوانین کے لحاظ سے بہت سے لوگ پریشان ہیں۔ بہت ساری قوموں نے توبہ کا سرے سے انکار کر دیا اور وہ اس بات کی قائل ہیں کہ غلط کام کا نتیجہ لازمی طور پر نکل کر رہے گا۔

دینِ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے' لہٰذا یہ توبہ کے تصور کے ذریعے انسان کو سابقہ گناہوں پر بخشش کی امید دلا کر آئندہ کے لیے اصلاح پر تیار کرتا ہے۔ توبہ کی شرائط میں حقیقی ندامت یا افسوس کا ہونا' آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا' گناہ کو عملاً ترک کر دینا اور کسی بندے کے ساتھ

زیادتی کی صورت میں اس کا حق لوٹانا یا اس سے معاف کرانا شامل ہے۔ سچی توبہ کی افادیت یہ ہے کہ جب انسان کو اپنے گناہوں پر ندامت ہوتی ہے تو اس کے نامۂ اعمال سے نہ صرف گناہ مٹا دیے جاتے ہیں' بلکہ ان کی جگہ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عنایت فرمائے۔

(۷) جھوٹ اور لایعنی کاموں سے پرہیز

آیت ۷۲ میں ارشاد ہوا: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾﴾ ''اور وہ جو جھوٹ پر موجودگی گوارا نہیں کرتے اور جب گزرتے ہیں کسی لایعنی کام کے پاس سے تو گزرتے ہیں بے نیازی سے''۔ اس آیت میں عباد الرحمٰن کی سچ کے لیے غیرت وحمیت کا بیان ہے۔ کہیں جھوٹی بات' جھوٹا معاملہ' غلط لین دین یا کسی سازش کی منصوبہ بندی ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس میں شرکت تو کجا وہاں اپنی موجودگی بھی گوارا نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی لایعنی باتوں سے نفرت کا بیان ہے۔ بذاتِ خود کسی لغو (لایعنی) بات میں ملوث ہونا تو دور کی بات ہے' اگر کہیں لغو کام ہو رہا ہو تو وہاں سے بڑے وقار اور شان بے نیازی سے گزر جاتے ہیں۔

(۸) آیاتِ الٰہی پر غور وفکر

آیت ۷۳ میں فرمایا گیا: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾﴾ ''اور جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے ان کے رب کی آیات کے ذریعے تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ توجہ سے سنتے ہیں)''۔ آیاتِ الٰہی سے استفادے کے حوالے سے عباد الرحمٰن کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔ آیاتِ قرآنی کو کھلے کانوں سے سنتے ہیں اور ان کا اثر لے کر اپنے عمل کی اصلاح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(۹) دعوت وتبلیغ کا اہتمام

آیت ۷۴ میں ارشاد ہوا: ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾﴾ ''اور وہ جو دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام

بنا''۔عبادالرحمٰن صرف خود نیک نہیں بنتے بلکہ اپنے گھر والوں کی بھی فکر کرتے ہیں تاکہ دنیا میں بھی ان کی طرف سے چین اور راحت نصیب ہو اور آخرت میں بھی وہ ذریعہ ترقیٔ درجات وصدقۂ جاریہ ثابت ہوں۔اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے گھرانوں میں ایسی ہی محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بڑی پیاری دعا سورۂ ابراہیم میں نقل ہوئی ہے:﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾﴾''اے اللہ! مجھے (ایسی توفیق) عنایت کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی (یہ توفیق بخش)'اے اللہ! میری دعا قبول فرما۔''

(۱۰)احساسِ آخرت

عبادالرحمٰن کو آخرت میں جواب دہی کا احساس بھی رہتا ہے'کیونکہ آخرت میں ہر انسان اپنے خاندان کے قائد وامام کی حیثیت سے آئے گا۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:((کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ))(صحیح البخاری)''تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی''۔چنانچہ ہر بندۂ مؤمن کی یہ دعا ہونی چاہیے کہ اے اللہ! جن کی ذمہ داری تو نے مجھے سونپی ہے'ان کو توفیق دے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کی روش اختیار کریں'اور ہم کو ایسے متقیوں کا امام بنا۔

عبادالرحمٰن کا حسین انجام

آیات ۷۵'۷۶ میں عبادالرحمٰن کے آخرت میں حسین انجام کا ذکر ہے'فرمایا:﴿اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْھَا تَحِیَّۃً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾﴾''ان لوگوں کو صبر کے بدلے اونچے اونچے محل دیے جائیں گے اور وہاں فرشتے ان سے دعا وسلام کے ساتھ ملاقات کریں گے۔ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے'اور وہ بہت ہی عمدہ جگہ ہے مستقل رہنے کے اعتبار سے اور عارضی طور پر رہنے کے اعتبار سے''۔عبادالرحمٰن کو جنت کے بالاخانے عطا کیے جائیں گے'اس لیے کہ انہوں نے بیان شدہ صفات انتہائی صبر کا مظاہرہ کر کے حاصل کیں۔

عبادالرحمٰن کی جتنی صفات کا بیان آیا ان کے حصول کے لیے صبر ضروری ہے۔قرآن کا

انسانِ مطلوب بننے کے لیے صبر کی چار صورتیں ہیں۔اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لیے صبر'اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے بچنے کے لیے صبر'اللہ کی طرف سے آنے والی آزمائش پر صبر'اور دنیا میں کم سے کم پر قناعت کے لیے صبر۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام صورتوں پر صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آخری آیت ۷۷ میں ایمان بالرسالت کا بیان ہے'ارشاد ہوا:﴿قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ ۚ فَقَدْ کَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ یَکُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾﴾''کہہ دو کہ میرا رب تمہاری کچھ پروا نہیں کرتا اگر نہ ہوتا تمہیں دعوت دینا'پس تم نے جھٹلا دیا ہے سو عنقریب لازم ہوگی (تمہارے لیے) اس کی سزا۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان صفات کو اپنانے اور ان کے مطابق اپنی زندگیاں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا انجام بھی عبادالرحمٰن جیسا ہو جس کا بیان زیر درس آیات میں آیا ہے۔

وآخر دعوانا انِ الحمد للّٰہ ربّ العالمین

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد کی فکر انگیز تالیفات

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مراحل ومدارج اور لوازم

منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ

مجلد 400 روپے، غیر مجلد 200 روپے

سیرت مطہرہ کے دل پذیر موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ

سیرتِ خیرُ الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

صفحات 240، قیمت 180 روپے

پانی: قرآن اور سائنس کی نظر میں

ڈاکٹر محمد سرشار خان ☆

سورۃ الواقعہ میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَفَرَءَیۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِیۡ تَشۡرَبُوۡنَ ﴿۶۸﴾﴾

''کیا تم نے پانی کو دیکھا جو تم پیتے ہو؟''

قارئین! پانی تو ہم روز ہی دیکھتے ہیں' بلکہ دیکھ کر ہی پیتے ہیں' لیکن ہم نے پانی کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا جیسے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی ہمیں قرآن حکیم میں دعوت دی گئی ہے۔ آیئے! آج ہم اس نظر سے پانی کو دیکھیں' یعنی غور و فکر اور تدبّر کریں' تاکہ خالقِ ارض و سماء کی حمد و تسبیح کا صحیح حق ادا کر سکیں۔

یوں تو خالقِ کائنات کی ہر تخلیق اس کی عظمت و یکتائی کا منہ بولتا ثبوت ہے' لیکن پانی ایک ایسی تخلیق ہے جو اپنی ترکیب اور خواص میں بہت حد تک منفرد اور عجیب ہے اور پانی کی انہی خصوصیات کی بنا پر ہی کُرۂ ارض پر زندگی کا وجود ممکن ہوا ہے۔

پانی کیا ہے اور کیسے وجود میں آیا؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام مادی اجسام کی تخلیق انتہائی چھوٹے منفی اور مثبت بار والے الیکٹرون' پروٹان اور نیوٹران وغیرہ سے تشکیل شدہ بنیادی ذرات سے فرمائی جسے ہم ''ایٹم'' کہتے ہیں۔ ان بنیادی مثبت و منفی ذرات کی کمی و بیشی سے کم از کم ۲۱۸ بنیادی عناصر (تا حال انسانی علم کے مطابق) بنائے اور پھر ان بنیادی عناصر کے آپس میں کیمیائی تعامل سے کائنات میں موجود دیگر تمام مرکبات بنائے گئے۔ ان مرکبات میں ایک پانی بھی ہے جس کا سالمہ (بنیادی ذرہ) آکسیجن گیس (O) کے ایک ایٹم اور ہائیڈروجن گیس (H) کے دو ایٹموں پر مشتمل ہے اور اسے کیمیائی زبان میں H_2O لکھتے ہیں۔ یعنی اس کے سالمے میں ایک آکسیجن

☆ سابق ڈپٹی ڈائریکٹر واٹر نری انسٹیٹیوٹ لاہور

کا ایٹم ہوتا ہے جس کے ساتھ دو ہائیڈروجن کے ایٹم جڑے ہوتے ہیں۔ دراصل پانی کے سالمے کی مخصوص ساخت ہی اس کی غیر معمولی خصوصیات کی بنیاد ہے۔

یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ مرکبات کی خصوصیات ان کے بنیادی اجزاء (عناصر) کی خصوصیات سے بالکل مختلف ہوتی ہیں' جیسے یہ دونوں گیسیں باہم مل کر پانی بناتی ہیں جس کی خصوصیات ہر لحاظ سے آکسیجن اور ہائیڈروجن سے مختلف ہیں۔ پانی دیگر عناصر و غیر نباتاتی مرکبات کی طرح زمین پر روزِ اوّل سے ہی شدید حرارت کی بنا پر بھاپ کی شکل میں موجود تھا۔ زمین پر آتش فشانی عمل سے بھی یہ بھاپ زمین سے نکل کر فضا میں شامل ہوتی رہی اور بالآخر زمین کی بیرونی پرت اور فضا کے ٹھنڈا ہونے پر پانی یعنی مائع حالت میں بدل گئی۔ مزید ٹھنڈی ہونے پر قطبین اور اونچے پہاڑی سلسلوں پر برف یعنی ٹھوس حالت میں بھی ظاہر ہو گئی۔

اس زمین پر پانی کے علاوہ شاید ہی کوئی ایسا عنصر یا مرکب ہوگا جو زمینی درجہ حرارت کے تغیّر و تبدّل کے اندر رہتے ہوئے مادے کی تینوں حالتوں یعنی ٹھوس' مائع اور گیس میں پایا جاتا ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پانی نہ صرف بالکل مطلوبہ مقدار میں ماپ کر اُتارا بلکہ اس کی ٹھیک ٹھیک مقدار ٹھوس' مائع اور گیس یعنی آبی بخارات یا فضائی نمی میں رکھی۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾﴾ (القمر)

''ہم نے ہر چیز ایک اندازے کے ساتھ پیدا کی۔''

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسۡکَنّٰہُ فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَاِنَّا عَلٰی ذَہَابٍۭ بِہٖ لَقٰدِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾﴾ (المؤمنون)

''اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا ایک اندازے کے مطابق' پھر اس کو زمین میں ٹھہرا دیا' اور ہم اس کو واپس لے جانے پر بھی قادر ہیں۔''

زمین پر پانی کی تینوں حالتوں میں متناسب موجودگی بہت ضروری ہے۔ اگر سمندر میں پانی کی مقدار کم یا زیادہ ہوتی یا سمندر کا رقبہ کم و بیش ہوتا' قطبین پر جمتی اور پگھلتی برف کی مقدار بہت کم یا بہت زیادہ ہوتی' یا ہوا میں نمی کی مقدار موجودہ مقدار سے کم و بیش ہوتی تو ہر حالت میں اس کُرۂ ارض پر زندگی موجودہ صورت میں برقرار نہیں رہ سکتی تھی۔

پانی کی طبعی اور کیمیائی خصوصیات

جیسا کہ آپ جانتے ہیں' پانی ایک بے رنگ' بے ذائقہ اور بے بو مائع ہے۔ بہت زیادہ مقدار میں ہو تو پانی نیلگوں دکھائی دیتا ہے' جیسے آسمان کا کوئی رنگ نہ ہونے کے باوجود وہ ہمیں نیلا دکھائی دیتا ہے۔ اگر پانی کا کوئی رنگ مثلاً نیلا ہوتا تو ہمیں دنیا میں ہر جاندار' چرند پرند' اشجار واثمار حتیٰ کہ ہر پھول کا رنگ نیلا نظر آتا' کیونکہ کسی جاندار شے کا وجود پانی کے بغیر ممکن نہیں۔ مزید برآں اکثر بے جان اشیاء میں بھی نمی کی تھوڑی بہت مقدار موجود ہوتی ہے جو ان اشیاء کو بھی نیلا کر دیتی تو اس طرح رنگوں کا وجود بے معنی ہو جاتا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَا ذَرَاَ لَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّذَّكَّرُوۡنَ ۝۱۳﴾ (النحل)

''اور تمہارے لیے زمین میں مختلف رنگوں کی جو چیزیں پھیلا دی گئی ہیں' بے شک سوچنے والوں کے لیے اس میں ضرور نشانی ہے۔''

اسی طرح اگر پانی کا کوئی ذائقہ ہوتا تو دنیا میں تمام پھلوں' سبزیوں' دالوں' گوشت غرض تمام اشیاء کا ذائقہ یکساں ہی ہوتا۔ اس طرح ذائقہ ایک ناقابلِ ذکر حس ہوتی۔ اگر پانی کی کوئی بو یا خوشبو ہوتی تو تمام اشیاء سے اس کا اظہار ہوتا' جس سے خوشبو یا بدبو کا احساس ایک بے معنی چیز بن کر رہ جاتا۔ جبکہ سونگھنے کی حس بے شمار جانداروں میں زندہ رہنے' خوراک حاصل کرنے اور دشمن سے بچنے کے لیے بہت ضروری ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک لطیف نعمت ہے۔

پانی کی حل پذیری

یہ دنیا کا واحد مائع ہے جس میں سب سے زیادہ عناصر و مرکبات حتیٰ کہ گیسیں بھی حل ہو جاتی ہیں اور ایسی خوبی کسی اور مائع میں نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ ناقابلِ حل ٹھوس اشیاء کے باریک ذرات سے مل کر suspension بناتا ہے اور روغنیات یعنی تیل وغیرہ کے بہت باریک ذرات سے مل کر emulsion بناتا ہے۔ یہ ساری خاصیتیں زندگی کے وجود کے لیے بہت ضروری ہیں' کیونکہ زندہ اجسام میں پانی ہی زندگی کے لیے ضروری مادوں کو ایک جگہ سے دوسری مطلوبہ جگہ تک پہنچاتا ہے اور اسی کے ذریعہ ہی مضر اور غیر ضروری مادے جسم سے خارج ہوتے ہیں۔ ہم جو بھی کھاتے ہیں اس کے قابلِ ہضم اجزاء پانی میں حل ہو کر انتڑیوں کے

ذریعے خون میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو خوراک ہم کھاتے ہیں اس میں سے زیادہ تر اشیاء تو پانی میں حل ہی نہیں ہوتیں' مثلاً روٹی' چاول' گوشت اور گھی وغیرہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قدرتِ الٰہی روٹی' چاول وغیرہ یعنی نشاستہ دار غذا کو نظامِ انہضام کے ذریعے پہلے گلوکوز میں تبدیل کرتی ہے جو پانی میں با آسانی حل پذیر ہے۔ اس طرح لحمیات یا پروٹین (گوشت وغیرہ) بھی اپنے چھوٹے اجزاء میں تقسیم ہو جاتے ہیں جو کہ پانی میں حل پذیر ہیں' جیسے انڈے کی سفیدی گوشت کی ہی ایک سادہ شکل ہے مگر پانی میں حل ہو جاتی ہے۔

اب گھی یا روغنیات کے بارے میں دلچسپ بات سنیے کہ پتہ سے نکلنے والی رطوبت (bile) جو کاسٹک سوڈے کی قسم سے تعلق رکھتی ہے جب روغنی اجزاء سے ملتی ہے تو اسے صابن میں تبدیل کر دیتی ہے جو آسانی سے پانی میں حل ہو کر انتڑیوں کے ذریعے خون میں شامل ہو جاتا ہے۔ جب یہ خون ان انتڑیوں سے جگر تک پہنچتا ہے تو وہ دوبارہ گھی کے ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے اور جسم کے کام آتا ہے۔ سبحان اللہ!

پانی کا نقطہ جوش اور نقطہ انجماد

ہائیڈروجن گیس دوسرے عناصر کے ساتھ مل کر کئی مرکبات بناتی ہے۔ پانی بھی ان میں سے ایک مرکب ہے۔ ان مرکبات کے مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مرکب کے سالمے کا سائز کم ہوتا ہے اس کا نقطہ کھولاؤ بھی کم ہو جاتا ہے اور جس مرکب کے سالمے کا وزن زیادہ ہوتا ہے اس کا نقطہ کھولاؤ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی وہ زیادہ درجہ حرارت پر ابلتا ہے یا گیس میں تبدیل ہوتا ہے۔ لیکن پانی کے سلسلے میں یہ معاملہ الٹ ہے' یعنی اگرچہ پانی کا سالمہ وزن میں چھوٹا ہے مگر' جیسا کہ آپ جانتے ہیں' پانی سو ڈگری سنٹی گریڈ پر جا کر ابلتا ہے۔ یہی حال اس کے نقطہ انجماد میں ہے یعنی صفر ڈگری سنٹی گریڈ پر جمتا ہے۔ اس طرح یہ خاص مرکب آہستہ آہستہ گرم ہوتا ہے اور اسی طرح آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو کر جمتا ہے' گویا اس کے ابلنے اور جمنے میں سو ڈگری سنٹی گریڈ کا فرق ہے جو دیگر مائعات کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔

پانی کی یہ خصوصیت زندگی اور خصوصاً آبی حیات کے لیے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ پانی اگر معمولی درجہ حرارت پر ابل کر بخارات میں تبدیل ہو جاتا یا معمولی سردی کی صورت میں فوراً جم جاتا تو جھیلوں اور سمندروں کی حالت روزانہ تبدیل ہوتی اور زندگی کا وجود

جوکہ پانی کا مرہونِ منت ہے' بہت مشکل ہوتا۔ پانی کی آہستہ آہستہ حرارت جذب کرنے اور اسے آہستہ آہستہ خارج کرنے (ٹھنڈا ہونے) کی خاصیت کُرۂ ارض کے درجہ حرارت کو ایک مخصوص حد میں رکھنے کی بنیادی وجہ ہے۔ سمندر کی صورت میں کرۂ ارض پر پانی کے عظیم ذخیرے کی غیر موجودگی میں دن کو سخت گرمی پڑتی اور رات بے انتہا ٹھنڈی ہو جاتی۔ یوں خشکی پر بھی زندگی ممکن نہ رہتی۔ چونکہ سمندر کا پانی سورج کی گرمی کو اپنے اندر جذب کرتا رہتا ہے اس لیے آہستہ آہستہ گرم ہو جاتا ہے اور رات کو آہستہ آہستہ ہی ٹھنڈا ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ پانی ایک مقررہ وافر مقدار میں موجود ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمینی حالات زندگی کے لیے انتہائی ناسازگار ہوتے۔

پانی مائع حالت میں

ایسے مرکب کا ملنا بہت مشکل ہے جس میں کاربن شامل نہ ہو' پھر بھی وہ عام درجہ حرارت اور دباؤ پر مائع شکل میں موجود ہو۔ پانی کی یہ منفرد خصوصیت ہے کہ اس کی ساخت میں کاربن (C) موجود نہ ہونے کے باوجود عام درجہ حرارت (room temperature) پر مائع حالت میں اتنی بڑی مقدار میں موجود ہے۔ اس میں اس کے سالمے کی مخصوص بناوٹ کا بہت دخل ہے۔

کرۂ ارض پر پانی سب سے زیادہ مائع حالت میں پایا جاتا ہے جس نے زیرِ زمین پانی' دریاؤں اور جھیلوں کے علاوہ سمندر کی شکل میں زمین کے دو تہائی حصے کو گھیر رکھا ہے۔ پانی کی اس بہتات کی وجہ سے خلاء سے زمین نیلے رنگ کا خوبصورت کرہ دکھائی دیتی ہے' جس کا نصف حصہ ہر وقت بادلوں سے ڈھکا رہتا ہے۔

سمندر

سمندر کرۂ ارض پر تقریباً ساڑھے چار ارب سال پہلے وجود میں آئے اور اس سے قبل کرۂ ارض کا تمام پانی سخت حرارت کی وجہ سے فضا میں بھاپ کی شکل (گیس کی حالت) میں موجود تھا۔ شروع شروع میں کرۂ ارض پر آتش فشانی عمل بہت تیز تھا۔ آتش فشانی گیسیں زیادہ تر بھاپ اور کاربن ڈائی آکسائیڈ پر مشتمل ہوتی ہیں۔ جب زمین ٹھنڈا ہونا شروع ہوئی تو یہ بھاپ بارش کی شکل میں زمین پر آ گئی۔ زمین پر پانی کا کچھ حصہ ان شہاب ثاقب کے زمینی فضا میں تباہ ہونے سے بھی بنتا ہے جن میں پانی برف کی شکل میں موجود ہوتا ہے' لہٰذا پانی بہر حال

آسمان سے زمین پر آیا۔ سورۃ المؤمنون میں فرمایا گیا:

﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿١٨﴾﴾

''اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا ایک اندازے کے مطابق' پھر اس کو زمین میں ٹھہرا دیا' اور ہم اس کو واپس لے جانے پر بھی قادر ہیں۔''

کرۂ ارض پر پانی کی ایک خفیف مقدار موجودہ آتش فشانی عمل اور شہابیوں سے (اگر ان میں پانی موجود ہو) بڑھ رہی ہے' لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ زمینی ضروریات سے زائد پانی کو فضا میں بالائے بنفشی شعاعوں کے ذریعے تباہ کر کے آبی بخارات میں پانی کے سالموں کو توڑ کر (ہائیڈروجن اور آکسیجن کو علیحدہ کر کے) توازن برقرار رکھتے ہیں۔ پانی اپنی سطح ہموار رکھنے کے لیے نشیبی علاقوں کا رخ کرتا ہے۔ لہٰذا زمین کے تمام نشیبی علاقے پانی سے بھر گئے اور سمندر کہلائے۔ اگرچہ سمندروں کی اوسط گہرائی تقریباً پونے چار کلومیٹر ہے' لیکن بعض جگہ سمندر اتنا گہرا ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا پہاڑ ہمالیہ بھی اس میں ڈوب سکتا ہے۔ کرۂ ارض کے تمام پانی کا ۹۷ فیصد حصہ سمندروں میں موجود ہے۔ باقی محض تین فیصد حصہ قطبین پر برف' دیگر پہاڑوں پر برف' دریاؤں' جھیلوں اور زیرِ زمین پانی کی شکل میں موجود ہے' لیکن پانی کا یہ تناسب ہی زمین پر خوبصورت زندگی کے وجود کا ضامن ہے۔

سمندر کے پانی میں دریاؤں کا پانی شامل ہونے سے اضافہ ہوتا رہتا ہے اور یوں یہ چکر چلتا رہتا ہے۔ (اس کا تفصیل سے ذکر ہم آگے کریں گے۔) اسی چکر میں سمندر کے پانی میں دریاؤں کے ذریعے لائے ہوئے نمکیات کی مقدار بڑھتی رہتی ہے۔ اسی لیے سمندر کا پانی کڑوا ہونے کی وجہ سے پینے کے قابل نہیں ہے۔ سمندری پانی میں نمکیات کی مقدار ساڑھے تین فیصد ہے جس میں زیادہ تر خوردنی نمک شامل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام سمندری جانور اس طرح بنائے ہیں کہ وہ باآسانی اس نمکین پانی میں زندگی گزارتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ لاکھوں کروڑوں سال پہلے بھی سمندر میں نمکیات کی مقدار یہی تھی جو آج ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سمندر میں ایسا نظام بنایا ہے کہ اس میں نمکیات کی مقدار خاص حد سے بڑھ نہیں پاتی۔

انسان زمانہ قدیم سے آج تک سمندر کو خوراک' سفر اور تجارتی نقل وحمل کے لیے استعمال

کرتا چلا آ رہا ہے۔ دورِ جدید میں سمندروں کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے اور جدید تحقیق و جستجو سے اس عظیم الشان مظہرِ قدرت کے نئے نئے پہلو اُجاگر ہوئے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور دن رات کے اختلاف (گردش) میں اور ان جہازوں اور کشتیوں میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیزیں اٹھا کر چلتی ہیں اور اس بارش کے پانی میں جسے اللہ آسمان کی طرف سے اتارتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اس (زمین) میں اس نے ہر قسم کے جانور پھیلا دیے ہیں' اور ہواؤں کے رخ بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (حکمِ الٰہی کا) پابند (ہو کر چلتا) ہے (ان میں) عقلمندوں کے لیے (قدرتِ الٰہی کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔''

سورۃ الرحمٰن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَـَٔاتُ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ﴾

''اور بلند بادبان والے بڑے بڑے جہاز (بھی) اسی کے (اختیار میں) ہیں جو پہاڑوں کی طرح سمندر میں (کھڑے یا چلتے) ہیں۔''

یعنی اسی کی قدرت سے بنے ہیں۔ اسی نے انسان کو یہ صلاحیت بخشی کہ سمندروں کو پار کرنے کے لیے جہاز بنائے۔ اس نے زمین پر وہ سامان پیدا کیے جس سے جہاز بن سکتے تھے اور اس نے پانی کو ان قواعد و ضوابط کا پابند کیا جن کی بدولت غضب ناک سمندروں کے سینے پر پہاڑ جیسے جہازوں کا چلنا ممکن ہوا۔

برف

برف پانی کی ٹھوس حالت ہے۔ پانی کا درجہ حرارت جب صفر ڈگری سینٹی گریڈ تک کم ہو جاتا ہے تو یہ مائع حالت سے جم کر ٹھوس شکل اختیار کر لیتا ہے۔ سب سے زیادہ برف زمین کے قطبین اور اس کے برفانی میدانوں پر پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ پہاڑوں کی بلند و بالا

چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ برف باری کے علاوہ بھی سرد علاقوں میں درجہ حرارت بہت کم ہو جانے پر جھیلوں اور دریاؤں کے اوپر کا پانی جم جاتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کُل زمینی پانی کا ۹۷ فیصد تو سمندر میں ہوتا ہے' جبکہ تین فیصد میں سے بھی ننانوے فیصد تازہ پانی برف کی شکل میں پایا جاتا ہے۔

قدرت کا اصول ہے کہ تمام اشیاء کو اگر گرم کیا جائے تو وہ اپنے سالمات میں حرارت کی وجہ سے حرکت تیز ہونے کی بنا پر پھیل جاتی ہیں یا کم گاڑھی ہو جاتی ہیں۔ اس طرح اگر درجہ حرارت کم کرتے جائیں تو وہ کثیف ہو کر سکڑ جاتی ہیں۔ اسی طرح پانی کو جب ٹھنڈا کیا جاتا ہے تو وہ گاڑھا ہو کر سکڑ جاتا ہے اور بالآخر جم کر برف کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن پانی کا معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے۔ یہ ٹھوس (برف) بن کر بھی اپنی مائع حالت یعنی پانی پر تیرتا رہتا ہے۔ ایسا کس طرح ممکن ہے۔ دراصل پانی کو جب ٹھنڈا کیا جاتا ہے تو $4^{\circ}C$ تک وہ سکڑتا اور گاڑھا ہوتا رہتا ہے اس کے بعد مزید سکڑنے کے بجائے وہ دوبارہ پھیلتا ہے۔ لیکن کیسے؟ جب پانی جمنے کے قریب ہوتا ہے تو اس کے سالمے بہت آہستہ آہستہ حرکت کرتے ہیں اور دیگر سالمات کے ساتھ مل کر ایک کھلی شش پہلو قلم (crystal) بنا لیتے ہیں۔ یہ شکل اختیار کرنے کے نتیجے میں پانی کے سالمات مزید دور دور ہو جاتے ہیں اور برف کا حجم پانی کی نسبت نو فیصد بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح وہ پانی میں ڈوبنے کی بجائے اوپر تیرتی رہتی ہے۔

شدید سردی میں جھیلوں وغیرہ کا پانی جمنے کے بعد جھیل کی تہہ میں بیٹھنے کی بجائے برف کی موٹی تہہ بن کر اوپر تیرتا رہتا ہے' جبکہ نیچے کا پانی اپنے اوپر برف کے موٹے کمبل کی وجہ سے مزید ٹھنڈا ہونے سے محفوظ رہتا ہے' لہٰذا مچھلیاں اور دیگر آبی مخلوق آرام سے اپنی زندگی گزار لیتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جھیل کے اوپر کا پانی بتدریج برف بن کر نیچے تہہ میں جمع ہوتا رہتا۔ یوں بالآخر ساری جھیل برف میں تبدیل ہو کر رہ جاتی اور وہاں زندگی کا نام و نشان نہ رہتا۔ ایسا صرف جھیلوں کی حد تک ہی نہ ہوتا' بلکہ قطبین پر جہاں دنیا میں سب سے زیادہ سردی ہوتی ہے' اگر برف کی بھاری چادر سمندروں پر نہ تانی جاتی تو سمندری مخلوقات کا وہاں رہنا بھی ناممکن ہو جاتا۔

موسم گرما میں جب یہ سمندری برف دوبارہ پانی میں تبدیل ہوتی ہے تو اس عمل میں زندگی کے لیے ضروری اجزاء (nutrients) گہرے پانیوں سے اوپر آ جاتے ہیں' جو نہایت چھوٹی

خوردبینی سمندری مخلوق (جسے phytoplankton کہتے ہیں) کی افزائش میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ مخلوق نہ صرف تمام سمندری مخلوقات کی خوراک کی زنجیر کی بنیادی کڑی ہے بلکہ وہیل مچھلی جیسے دیوقامت جانور کی خوراک بھی ہے جسے وہ منہ میں چھلنی کی طرح گزار کر حاصل کرتی ہے۔ اس تیرنے والی برف کا علاقائی آب و ہوا' موسم اور سمندری پانی کے بہاؤ میں بھی اہم کردار ہوتا ہے۔

آبی بخارات

آبی بخارات پانی کی گیسی حالت ہے۔ جب پانی گرم ہوتا ہے تو اس کے سالموں کی حرکت تیز ہو جاتی ہے اور وہ دیگر سالموں سے آزاد ہو کر فضا میں دور دور حرکت کرنے لگتے ہیں۔ سرد ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کے قریب آ کر سالماتی کشش سے دوبارہ جڑ کر پانی کے قطروں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ بلندی پر ہوا سرد ہونے کی وجہ سے آبی بخارات بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں' جہاں وہ بارش کی شکل میں دوبارہ زمین پر آ جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔ آبی بخارات نہ صرف فضا میں بلندی پر پہنچ کر بادل بناتے ہیں بلکہ ان کی نچلی فضا میں موجودگی بھی زمین پر موجود حیوانات و نباتات کی مناسب نشوونما کے لیے ضروری ہے اور کرۂ ارض کے درجہ حرارت کو کنٹرول کرنے میں بھی ان کا بہت بڑا کردار ہے۔

سردیوں میں دھوپ والے چمکدار دن کے بعد شام کو جب آسمان بالکل صاف ہو تو زمینی حرارت واپس فضا میں آسمان کی طرف چلی جاتی ہے۔ سردی بڑھ جاتی ہے' بلکہ کہر یا دھند پڑنے کا امکان ہوتا ہے' لیکن اگر شام کو آسمان بادلوں سے ڈھک جائے تو یہ حرارت آبی بخارات میں مقید ہو جائے گی اور موسم زیادہ ٹھنڈا نہیں ہوگا۔

صحرائی علاقوں میں بعض جگہ دن کو درجہ حرارت $50^{\circ}C$ سے بھی بڑھ جاتا ہے جبکہ رات کو یہ منفی تین سے بھی کم ہو جاتا ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ صحرا کی فضا میں آبی بخارات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ رات کو صحرا کی گرمی کو جذب نہیں کرتے اور وہ حرارت واپس بالائی فضا میں چلی جاتی ہے اور سخت سردی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا ہوا میں آبی بخارات کی کمی و بیشی موسم پر براہِ راست اثر انداز ہوتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کے درجہ حرارت کو آبی بخارات کنٹرول کرتے ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ دنیا کا درجہ حرارت آبی بخارات کو کنٹرول

کرتا ہے۔ یعنی اگر گرمی زیادہ پڑے گی تو آبی بخارات زیادہ بنیں گے اور اگر آبی بخارات زیادہ بنیں گے تو گرمی زیادہ ہوگی۔ لیکن آبی بخارات زیادہ بنیں گے تو بادل بھی بنیں گے جو سورج کی گرمی کو زمین پر آنے سے روکیں گے۔ یوں درجہ حرارت میں کمی ہوگی' لیکن بارش بھی بادلوں سے ہوگی جس سے فضا میں نمی یعنی آبی بخارات زیادہ ہوں گے' اس طرح وہ گرمی کو ضائع ہونے سے روکیں گے۔ اس کے علاوہ زمینی درجہ حرارت کو کاربن ڈائی آکسائیڈ' اوزون اور چند دوسری گیسیں بھی جذب کر لیتی ہیں۔

انسان کا پیدا کردہ صنعتی دھواں بھی زمینی درجہ حرارت کے بڑھنے کی ایک وجہ ہے۔ یہ ایک پیچیدہ نظام ہے' جسے چلانے والی ہستی جب تک چاہے گی' اسے قائم رکھے گی۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں اور حکمتیں ایسی ہیں کہ ہمیں ان کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً: اگر ہوا میں نمی کی مقدار بہت کم ہو تو ہماری جلد' ہونٹ اور بال وغیرہ بالکل خشک رہیں گے۔ گلے اور ناک میں خراش ہوگی اور سانس لینے میں دشواری پیش آئے گی۔ جسم پر خارش ہوگی اور آنکھوں کو تر رکھنے کے لیے بار بار جھپکنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ پھلوں پھولوں کی تازگی بہت کم عرصے تک برقرار رہے گی۔ اس طرح ہوا میں نمی کی مقدار بڑھنے سے حبس اور گھٹن پیدا ہوتی ہے' جسم پر چپچپاہٹ محسوس ہوتی ہے اور پسینہ نہ اڑنے کی وجہ سے بے حد گرمی محسوس ہوتی ہے۔

بادل

ہماری زمین کا کم از کم آدھا حصہ ہر وقت بادلوں کی چھاؤں میں رہتا ہے۔ بادل زمین کو مطلوب سورج کی روشنی سے زائد روشنی اور حرارت کو واپس آسمان میں منعکس کر دیتے ہیں۔ یوں زمین کا درجہ حرارت مناسب حد میں رہتا ہے۔ بادلوں کے بغیر بارش' گرج چمک' برف باری یا قوسِ قزح کا تصور محال ہے۔ بادل سورج کی شعاعوں کی بنا پر خوبصورت رنگ اور مناظر آسمان پر بکھیرتے ہیں۔ بادل نہ ہوتے تو ہر وقت نیلا آسمان دیکھ دیکھ کر انسان اکتا جاتا بلکہ گرد و غبار کی زیادتی کی وجہ سے دن کو نہ نیلگوں آسمان نظر آتا نہ رات کو ستاروں سے سجا خوبصورت آسمان دکھائی دیتا۔

بادل کیسے بنتے ہیں؟

جب ہم اوپر نگاہ اٹھاتے ہیں تو بظاہر ہمیں نیلے آسمان کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا' جبکہ

حقیقتاً ہوائی گیسوں کے علاوہ ہماری فضا اربوں کھربوں ٹھوس خاکی ذرات اور بخارات اور پانی کے مہین قطرات سے بھری پڑی ہے۔ خشکی اور سمندر سے کروڑوں ٹن پانی سورج کی حرارت سے بخارات میں تبدیل ہو جاتا ہے اور گرم ہوائیں انہیں آبی بخارات کی شکل میں اٹھائے لیے پھرتی ہیں۔ جب یہ ہوائیں فضا میں ایک خاص بلندی پر پہنچ کر ٹھنڈی ہو جاتی ہیں تو یہ آبی بخارات بادلوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ مزید ٹھنڈا ہونے پر پانی کے یہ مہین قطرے خاکی ذرات کے ساتھ جڑ جاتے ہیں اور ان کے ساتھ مزید آبی قطرے مل کر اتنے بڑے ہو جاتے ہیں کہ ہوا یا بادل ان کا بوجھ نہیں سہار سکتا اور یہ قطرے بارش کی شکل میں زمین پر گرنے لگتے ہیں۔

قرآنِ حکیم کی روشنی میں بادلوں اور بارش کے عمل کا جائزہ

سورۃ الذاریات میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ① فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ② فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ③ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ④﴾

''قسم ہے ان ہواؤں کی جو گرد اڑانے والی ہیں' پھر پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھانے والی ہیں' پھر سبک رفتاری کے ساتھ چلنے والی ہیں' پھر ایک بڑے کام (بارش) کی تقسیم کرنے والی ہیں۔''

یہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہواؤں کا ذکر فرما رہے ہیں۔ ''الذاریات'' سے مراد پراگندہ کرنے والی اور گرد و غبار اڑانے والی ہوائیں ہیں۔ بارش کے ترتیب وار مراحل کے سلسلے میں ان ہواؤں کے پہلے نمبر پر ذکر میں بھی ایک حکمت پوشیدہ ہے۔ ہماری فضا میں خاکی ذرات مناسب مقدار میں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ ان ہواؤں کے ذریعے ہر سال تقریباً دو ارب ٹن گرد و غبار یا خاکی ذرات فضا میں شامل ہوتے ہیں اور بارش کے ذریعے واپس زمین پر آتے ہیں۔ بظاہر یہ عمل فضائی آلودگی لگتا ہے' لیکن اس میں بھی کئی حکمتیں ہیں۔ مثلاً سورج کی شعاعوں سے حرارت صرف خاکی ذرات ہی جذب کر سکتے ہیں۔ خالص ہوا میں سے سورج کی روشنی گزرنے سے ہوا گرم نہیں ہوتی' گویا ہوا خاکی ذرات کے گرم ہونے سے گرم ہوتی ہے۔ چونکہ گرم ہوا ہی بخارات بننے کے عمل میں مدد دیتی ہے اور وہ ہی ان بخارات کو اٹھا کر ہلکی ہونے کی وجہ سے بالائی فضا میں پہنچ جاتی ہے اس لیے ان ذرات کا وجود ضروری ہے۔

ان خاکی ذرات (گرد و غبار) کا ایک اہم کام یہ ہے کہ بادلوں میں ان ذرات کے ذریعے ہی آبی بخارات (جو مہین قطروں کی شکل میں ہوتے ہیں اور جن کا سائز 1/100 ملی میٹر کے برابر ہوتا ہے) کے ساتھ جڑ کر بارش کے قطرے بن کر زمین پر ٹپک سکتے ہیں۔ گویا بارش کے ہر قطرے میں ایک خاکی ذرہ ضرور ہوتا ہے۔ یہ خاکی ذرے جنہیں بارش کے بیج بھی کہا جاتا ہے' بادل کے آبی قطروں سے بھی سو گنا کم سائز کے ہو سکتے ہیں جن کے اوپر یہ آبی قطرے چمٹ جاتے ہیں۔ اصل میں بخارات کو ایک غیر گیسی شے چاہیے' جس سے لگ کر وہ مائع شکل میں آسکیں۔ یہ گرد و غبار بالائی فضا میں بارشوں یا دیگر وجوہات کی بنا پر کم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ آسمان سے بھی شہابیوں کے ذریعے ان کا بندوبست کر دیتا ہے۔

شہابیے: یہ خلا میں آوارہ گھومنے والے بہت چھوٹے سیارے یا پتھر کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ یہ جب ہماری زمین کے بہت قریب سے گزرتے ہیں تو زمین کی کشش انہیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ یہ اتنی تیزی سے زمین کی طرف سفر کرتے ہیں (بندوق کی گولی سے سو گنا زیادہ) کہ ہوا کی رگڑ سے جل اٹھتے ہیں۔ ان کا درجہ حرارت دس ہزار سنٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے' جس کی وجہ سے وہ پگھل کر بخارات بن جاتے ہیں اور ٹھنڈے ہو کر ہوا میں ہی گرد و غبار میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

اگر ان شہابیوں کی رفتار کم ہوتی یا ہماری فضا میں ہوا کی مخصوص موٹی تہہ اور کثافت نہ ہوتی تو یہ فضا میں تباہ نہ ہو سکتے' نتیجتاً ہم پر دن رات پتھر برستے رہتے۔ اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے زمین کو ان سے بچانے کے کئی بندوبست کر رکھے ہیں۔ یہ مقام شکر و ثنا ہے۔ سورۃ الملک میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ⑰﴾

''کیا تم اپنے آپ کو محفوظ سمجھے بیٹھے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ تم پر پتھر برسانا شروع کر دے؟ تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے!''

اب بھی اللہ تعالیٰ جب چاہے بارانِ رحمت کو اولوں میں بدل کر عبرت و تباہی کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح شہابیوں کی زمین پر بارش بھی اللہ کے نزدیک معمولی کام ہے۔ لیکن

اس زمین کی حفاظت اور انتظام و انصرام ایک مخصوص مدت کے لیے ہے جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ وہ جس وقت چاہے گا ساری کائنات کا نظام تلپٹ ہو جائے گا۔

ہم واپس سورۃ الذاریات کی آیات کی طرف آتے ہیں:

﴿فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝۲﴾ ''پھر بھاری بوجھ اٹھانے والی ہیں۔''

اس سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو سطح زمین اور سمندروں سے کروڑوں اربوں گیلن پانی کے بخارات اٹھا لیتی ہیں اور بلندی پر جا کر یہ بخارات بادلوں کی شکل میں ڈھل جاتے ہیں۔

﴿فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝۳﴾ ''پھر چلنے لگتی ہیں آہستہ۔''

سطح زمین کے قریب یہ ہوا گرم اور ہلکی ہوتی ہے۔ آبی بخارات اٹھا کر جب یہ اوپر اٹھتی ہے تو بادلوں کی شکل اختیار کر کے بھاری ہو جاتی ہے اور اس کی رفتار آہستہ ہو جاتی ہے۔

﴿فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝۴﴾

''پھر ان (ہواؤں) کی قسم جو معاملات کو تقسیم کرنے والی ہیں۔''

یعنی یہ ہوائیں بادلوں کو لے کر چلتی ہیں اور حکمِ الٰہی کے مطابق زمین پر بارش برساتی ہیں۔ گویا جب بادل برستے ہیں تو ان کا پانی مُردہ زمین میں رزق کا سامان پیدا کر کے انہیں مخلوقات میں تقسیم کرتا ہے۔ اس کے بعد توجہ اس طرف دلائی گئی ہے کہ جو بابرکت ذات ایسے زبردست نظام کے ذریعے پانی کو نئی زندگی کا ذریعہ بناتا ہے وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ مردہ انسانوں کو دوبارہ زندگی عطا فرمائے۔

درج بالا آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بارش برسنے کے عمل کے ترتیب وار مراحل بیان فرمائے ہیں۔ اسی طرح سورۃ النور کی آیت ۴۳ ملاحظہ فرمائیں:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝۴۳﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادلوں کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے' پھر ان کو آپس میں ملا دیتا ہے' پھر ان کو تہہ بہ تہہ بنا دیتا ہے' پھر تم دیکھتے ہو کہ ان کے درمیان خالی جگہوں سے

بارش نکل کر برستی ہے۔ اور وہ اسی آسمان (فضا) میں پہاڑوں کی طرح دکھائی دینے والے بادلوں سے اولے برساتا ہے' پھر جس پر چاہتا ہے ان اولوں کو گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے (مزید یہ کہ انہی بادلوں سے بجلی بھی پیدا کرتا ہے) یوں لگتا ہے کہ اس (بادل) کی بجلی کی چمک آنکھوں کو (خیرہ کر کے ان کی بینائی) لے جائے گی۔''

يُزْجِيْ سَحَابًا: يُزْجِيْ کے معنی ہیں: آہستہ آہستہ ہانکنا' برچھی سے ہانکنا' سیر ہونا۔ یعنی اللہ بادل کو پانی سے سیر کر کے آہستہ آہستہ چلاتا ہے۔

يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ: الفت باہمی کشش کو کہتے ہیں' یعنی بادل کے باریک آبی ذرات آپس میں مل جاتے ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں آپس میں جوڑ دیتے ہیں۔

رُكَامًا: انبار لگانا۔ پیوست کر کے مختصر کر دینا' کثیف ہونا۔ یعنی باہمی کشش سے یہ آبی ذرات مل کر اتنے بڑے ہو جاتے ہیں کہ بارش کے قطرے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور زمین پر گر جاتے ہیں۔

اَلْوَدْقَ: رِس رِس کر نکلنا' پلپلا ہونا۔ ظاہر ہے کہ بارش کی بوندیں بادل سے رِس رِس کر نکلتی ہیں۔ پانی بڑی بڑی دھاروں یا کسی اور شکل میں زمین پر نہیں آتا' ورنہ ہر چیز تباہ ہو جاتی۔

وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ: ''اور فضا میں جو (بادلوں کے) پہاڑ بنے ہوتے ہیں اس سے اولے برساتا ہے'' آیت کے اس ٹکڑے کی اپنے وقت اور علم کے حساب سے کئی تفاسیر بیان ہوئی ہیں۔ جدید تحقیق اور علم کے مطابق بادلوں کو بلندی' حجم اور بارش کی مقدار وغیرہ کے حوالے سے مختلف اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک قسم کے بادلوں کا نام Cumulonimbus Clouds ہے۔ یہ سب سے بڑے اور اونچے شدید بارش اور طوفان والے بادل ہوتے ہیں جو اپنے ساتھ اولے اور گرج چمک بھی لاتے ہیں۔ یہ گہرے طوفانی بادل اوپر کو اٹھنے والی طاقتور ہوا کی وجہ سے سیدھے آسمان میں پہاڑوں کی طرح بن جاتے ہیں اور ان کی اونچائی سات کلومیٹر سے بارہ کلومیٹر تک ہوتی ہے۔ بعض دفعہ یہ بادل بالائی فضا میں اکیس کلومیٹر تک بھی بلند پائے گئے ہیں۔ اولے انہی بادلوں میں تشکیل پا کر زمین پر گرتے ہیں۔

اولے

اگر برف باری والے ہلکے ٹکڑے زمین پر اترتے وقت ایسے بادلوں سے گزریں جن میں شدید سرد مائع پانی کے ذرات ہوں تو وہ ان برفانی ٹکڑوں کے اوپر جم کر برف کی ایک نئی

تہہ چڑھا دیتے ہیں جس سے وہ بھاری ہو کر اولوں کی شکل میں زمین پر گرتے ہیں۔ بعض اوقات طوفانی بارشوں میں ایسے حالات میں اوپر بلندی کی طرف اٹھنے والی تیز ہوائیں ان اولوں کو دوبارہ بلندی پر لے جاتی ہیں اور زمین پر واپس آتے ہوئے اس عمل سے گزر کر ان اولوں کا سائز مزید بڑھ جاتا ہے۔ ایسا کئی بار ہو سکتا ہے' بالآخر وہ مزید وزنی ہو کر زمین پر گر کر تباہی پھیلاتے ہیں۔ (بڑے اولوں کو غور سے دیکھنے پر آپ کو یہ تہیں نظر آ جائیں گی۔)

آسمانی بجلی

بجلی کا کوندا دراصل ایک برقی اخراج ہے جو طوفانی بادلوں اور زمین کے درمیان یا بادلوں کے اپنے درمیان برق سکونی کے فرق یا غیر متوازن ہونے سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ طوفان کی صورت میں بادلوں میں موجود آبی ذرات اور برف و بارش کے قطرے باہم رگڑ کھانے سے برقائے جاتے ہیں اور عموماً بادلوں کی نچلی طرف منفی بار جمع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کا نظر نہ آنے والا بادل کا برقی سایہ بادل کے نیچے والی زمین پر بھی چھا جاتا ہے جس پر اس کے الٹ یعنی مثبت بار ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں بار زیادہ نزدیک آ جاتے ہیں تو کسی اونچی عمارت' درخت یا بعض اوقات ہموار زمین پر ہی یہ آپس میں مل کر زوردار چمک اور کڑک پیدا کرتے ہیں۔ بجلی کا یہ کوندا بے پناہ حرارت پیدا کرتا ہے جو سورج کی سطح کے درجہ حرارت سے چار پانچ گنا زیادہ ہوتی ہے۔ اس حرارت سے اردگرد کی ہوا اتنے زور سے پھیلتی اور تھرتھراتی ہے کہ اس سے زبردست چمک اور گرج پیدا ہوتی ہے۔ سورۃ الرعد میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝۱۲ وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ۝۱۳﴾

''اور وہی ہے جو تمہیں (کبھی) ڈرانے اور (کبھی) اُمید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا ہے اور (کبھی) بھاری گھنے بادلوں کو اٹھاتا ہے۔ بجلی کی گرج اور فرشتے اس کے خوف سے اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں' اور وہ کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے' پھر جس پر چاہتا ہے' گرا دیتا ہے اور وہ (کفار' قدرت کی ان نشانیوں کے باوجود) اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔ اور وہ سخت تدبیر و گرفت کرنے والا ہے۔''

بجلی کی کڑک کی حکمتیں

آسمانی بجلی کے خطرناک دل دہلا دینے اور آنکھوں کو چندھیا دینے والے مناظر سے تو ہم سب واقف ہیں' مگر بادلوں کی کڑک میں بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں ہیں جنہیں وہی بہتر جاننے والا ہے۔ تاہم انسانی علم میں آنے والی چند باتوں کا ذکر درج ذیل ہے۔

ہماری زمین پر ہر وقت ایک برقی چارج رہتا ہے جو فضا کی نچلی طرف اور زمین کی اوپر کی سطح کے درمیان ہواؤں کے تیز چلنے اور دیگر وجوہات کی بنا پر پیدا ہو جاتا ہے۔ فضا اور زمین کے مابین برقی چارج کو ہمہ وقت متوازن رہنا چاہیے' ورنہ زمین پر نظامِ زندگی درہم برہم ہو جائے۔ آسمانی بجلی اس فالتو یا غیر متوازن چارج کو زمین میں بھیج کر زمین کو زندگی کے قابل بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ آسمانی بجلی اگر زمین کے کسی نہ کسی حصے پر نہ گرتی رہے تو محض پانچ منٹ میں نظامِ زندگی میں اس برقی چارج کے مضر اثرات شروع ہو جائیں گے۔ یاد رہے کہ ہماری زمین کا تقریباً نصف حصہ ہر وقت بادلوں سے ڈھکا رہتا ہے اور آسمانی بجلی ایک دن میں ستر سے اسّی لاکھ مرتبہ زمین سے ٹکراتی ہے۔ آسمانی بجلی زمین پر اگنے والے نباتات کو کھاد بھی فراہم کرتی ہے۔ ہماری فضا میں تقریباً ۷۸ فیصد نائٹروجن گیس ہوتی ہے' لیکن پودے اسے براہِ راست اپنی نشوونما کے لیے استعمال نہیں کر سکتے۔ آسمانی بجلی اس نائٹروجن کو ایک تیزابی گیس میں بدل دیتی ہے جو بارش کے پانی میں حل ہو کر پودوں کے لیے قابل استعمال کھاد میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ آسمانی بجلی کی وجہ سے فضا میں اوزون گیس بنتی ہے جو فضا میں ایک حفاظتی چادر بناتی ہے' جس کی وجہ سے زمین سورج سے آنے والی ان خطرناک الٹراوائلٹ شعاعوں سے محفوظ رہتی ہے جو زندگی کے لیے نہایت مضر ہیں۔

پانی کا چکّر (Water Cycle)

خشکی اور سطح سمندر سے پانی آبی بخارات کی شکل میں فضا میں جا کر دوبارہ بارش/برفباری وغیرہ کی صورت میں زمین پر واپس آتا ہے اور دریاؤں' جھیلوں اور چشموں وغیرہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بارش کا پانی زیرِ زمین بھی جاتا ہے وہاں سے چشموں کے علاوہ انسان کنوؤں اور دیگر مشینی ذرائع سے اسے باہر نکال کر اپنے استعمال میں لاتا ہے۔ سطح زمین سے یہ پھر آبی

بخارات میں تبدیل ہو کر بارش کی شکل میں زمین پر آجاتا ہے اور یہ چکر یونہی چلتا رہتا ہے۔ سولہویں صدی عیسوی میں پہلی دفعہ واٹر سائیکل پر سائنسی انداز میں بات ہوئی۔ اس سے قبل یونانیوں اور اہل یورپ کا یہ خیال تھا کہ سمندر کے پانی کے دباؤ اور ہواؤں کے زور سے سمندر کا پانی زیر زمین راستوں سے خشکی کے اندر دور تک چلا جاتا ہے' جہاں بڑی بڑی جھیلوں کی شکل میں زیر زمین موجود رہتا ہے' لیکن واٹر سائیکل اور زیر زمین پانی کے متعلق جدید تحقیق وہی کچھ بتاتی ہے جو قرآن حکیم نے چودہ سو سال پہلے ہمیں بتایا تھا۔ سورۃ الزمر میں فرمایا گیا:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ﴾ (آیت ۲۱)

آیت کے اس ٹکڑے کے مختلف تراجم ملاحظہ ہوں:

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین کی سوتوں میں پہنچاتا ہے۔ پھر اس کے ذریعے کھیتی پیدا کرتا ہے.....'' (مولانا محمد جونا گڑھی)

''کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے پھر زمین میں بہا کر اس پانی کو آگے چلا دیتا ہے.....'' (مولانا امین احسن اصلاحیؒ)

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اسے زمین کے سوتوں میں پرو دیا.....'' (مفتی تقی عثمانی)

''کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو سوتوں' چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا.....'' (مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

بہر حال اصل الفاظ فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ میں جو معانی پوشیدہ ہیں' کوئی ترجمہ اس کا حق ادا نہیں کر سکتا اور اس کیفیت کو ماہرینِ ارضیات بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۸ ہم قبل ازیں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ جب کہ سورۃ الملک میں فرمایا گیا:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝۳۰﴾

''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے (پینے کا) پانی زمین میں گہرا اتر جائے تو کون ہے جو تمہارے لیے ٹھہرا ہوا پانی لائے؟''

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بارش کا پانی بلکہ جراثیم آلودہ گندا پانی بھی زمین میں گہرائی تک جاتا ہے تو مٹی کے ذرات اور مفید جراثیم اسے تمام آلودگیوں سے پاک کر دیتے ہیں۔ سورۃ الواقعہ میں ارشاد ربانی ہے:

﴿لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝۷۰﴾

''اگر ہماری منشا ہو تو ہم اسے کڑوا زہر کر دیں' پھر تم ہماری شکر گزاری کیوں نہیں کرتے؟''

کیا ہم اللہ کی بنائی ہوئی کائنات میں غور و فکر کر کے اللہ کے شکر گزار بندے نہیں بنیں گے؟

لمحۂ فکریہ

قرآن حکیم میں ساڑھے سات سو سے زائد آیات میں اللہ تبارک تعالیٰ نے صحیفہ کائنات پر بکھری ہوئی اَن گنت آیات یعنی نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے اور ان میں غور و فکر اور تدبّر کا حکم دیا ہے۔ خدائے ذوالجلال والاکرام کی عظمت و کبریائی اور اس کی معرفت حاصل کرنے کا اس سے بڑھ کر انسان کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں کائنات میں غور و فکر پر بہت زور دیا گیا ہے۔ کیا ہم مسلمان ان قرآنی احکامات پر عمل کر رہے ہیں؟ فرمان الٰہی کا مفہوم ہے کہ جو لوگ کچھ قرآنی آیات پر عمل کرتے ہیں اور کچھ کو چھوڑ دیتے ہیں ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی جہنم کا عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اور صحیح معنوں میں قرآن فہمی کا شعور عطا فرمائے۔ آمین! ❁❁❁

تعارف کتابچہ

حرف حرف روشنی

☆تالیف و ترتیب: احمد علی محمودی ☆صفحات: 50 ☆قیمت: تعارفی کتابچہ فی سبیل اللہ

البتہ دعوت و تبلیغ کے حوالہ سے تقسیم کے لیے -/3000 فی سینکڑہ

ناشر: ندائے اُمت پبلی کیشنز' دارالسلام' عزیز آباد کالونی' وہاڑی روڈ' حاصل پور

رابطہ نمبر: 0305-8280905

اس مختصر کتابچے ''حرف حرف روشنی'' میں نہایت خوبصورت انداز میں قرآن و سنت' صلحائے اُمت اور بزرگانِ دین کی تعلیمات کی روشنی میں مختصر' مؤثر اور جامع اقوال و جواہر جمع کیے گئے ہیں۔ جن کا مطالعہ دل و دماغ کو معطر' روح کو شاد اور انسان کی فکر کو نکھارتا اور اسے عمل پر اُبھارتا ہے۔

مختصر مختصر تحریروں کا یہ گلدستہ سوشل میڈیا کے لیے بھی بڑے کام کی چیز ہے۔ سوشل میڈیا سے تعلق رکھنے والے ان اقوال و جواہر سے خوب خوب فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور اپنے کام میں لا سکتے ہیں۔

شرکیہ کام اور ان کا انجام

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

شرک بدترین گناہ ہے۔ شرک کے علاوہ اور بھی بہت سے گناہ کے کام ہیں مگر صرف شرک ہی وہ گناہ ہے جس کے بارے میں ایک سے زیادہ دفعہ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ اسے نہیں بخشا جائے گا۔ سورۃ النساء میں دو بار (آیات ۴۸ و ۱۱۶) ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ﴾

''بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا (اور گناہ) جس کو چاہے بخش دے گا۔''

گویا شرک کے علاوہ ہر گناہ معاف کیا جا سکتا ہے مگر شرک ناقابلِ بخشش گناہ ہے۔ شرک کی کئی اقسام ہیں۔ ایک تو شرک فی الذات ہے' یعنی کسی کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی قرار دے دینا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور ہستی کو معبود ماننا اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کسی کو شریک سمجھنا۔ دوسرا شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کسی دوسری ہستی میں تسلیم کرنا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں وحدہ لاشریک ہے اسی طرح وہ صفات میں بھی یکتا ہے۔ ہر جاندار اور بے جان مخلوق کا خالق اللہ ہی ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے' وہی موت دیتا ہے۔ وہی رازق ہے' وہی اپنی مخلوق کی ضروریات کو جانتا ہے اور پوری کرتا ہے۔ وہی فیصلے کے دن کا مالک ہے۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین ہے۔ وہ کوئی دوسرا خالق یا معبود نہیں مانتے۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک نہیں مانتے۔ ابلیس لعین انسانوں کا واضح دشمن ہے اور انہیں گمراہ کرنا اور جہنمی بنانا اس کا مشن ہے۔ وہ کفار اور مشرکین کی طرف سے تو بے فکر ہے کہ وہ تو دینِ حق اسلام میں داخل ہی نہیں ہوئے اور انہوں نے خالق کائنات کی الوہیت کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ وہ تو گمراہ ہیں' اگر وہ اسی گمراہی میں مر گئے تو ان کا ٹھکانا جہنم کی آگ ہے' مگر مسلمان جو اللہ تعالیٰ کو ذات میں لاشریک اور یکتا مانتے ہیں' ان میں بہت سے ایسے ہیں جو

اللہ تعالیٰ کی بے مثال صفات دوسرے انسانوں میں بھی مانتے ہیں' جو سراسر شرک ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید میں اس طرح واضح کیا گیا ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ (یوسف)

''اور اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں۔''

یہ ایمان والے کون ہیں؟ وہی جو اپنی ضرورتیں اور حاجتیں دوسرے انسانوں یا جنوں سے مانگتے ہیں۔ روزی تنگ ہو تو عاملوں اور بزرگوں کے پاس جاتے ہیں تاکہ ان کی روزی فراخ ہو۔ حالانکہ قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (العنکبوت)

''اللہ ہی اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

روزی کا گھٹانا بڑھانا اللہ کے اختیار میں ہے۔ ہاں اپنی روزی تلاش کرنے میں مقدور بھر تگ و دو کرنا اور جائز ذرائع اختیار کرنا جائز بلکہ ضروری ہے۔ کسی آدمی کو نیک سمجھ کر اس سے اللہ کے حضور دعا کروانا درست ہے' مگر کسی شخص سے روزی کی فراخی طلب کرنا شرک ہے۔ دنیا میں روزی کمانے کے بے شمار ذرائع ہیں۔ ان میں سے اپنی پسند کا ذریعہ منتخب کرنا' اللہ پر بھروسہ کر کے محنت کرنا اور اللہ تعالیٰ سے روزی کی فراخی کے لیے دعا کرنا درست ہے کہ وہی رازق ہے۔ اسی طرح کوئی شخص مشکل اور پریشانی میں ہو تو اس کے دور کرنے کے لیے جائز ذرائع اختیار کرنا تو درست ہے' مگر اللہ کے سوا کسی دوسرے جن یا انسان کو مشکل کشا یا حاجت روا ماننا شرک ہے' کیونکہ کوئی مصیبت ہو یا مشکل وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور وہی اس مشکل یا مصیبت کو دور کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ (التغابن: ۱۱)

''کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی مگر اللہ کے حکم سے۔''

قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْۗءَ﴾ (النمل: ۶۲)

''بھلا کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور (کون اس

کی) تکلیف کو دور کرتا ہے۔''

بس مصیبت اور مشکل میں اللہ ہی سے دُعا کرنا درست ہے' کیونکہ وہی مشکل یا مصیبت کو دور کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ نہ کوئی مشکل کشا ہے اور نہ فریاد رس۔ اللہ کے نبی اور صالح مؤمنین نے اللہ ہی سے دعا کی ہے اور مدد مانگی ہے۔ اسی طرح کوئی شخص بیمار ہے تو ماہر طبیب سے علاج کروانا اور اس کی تجویز کردہ دوا اس کی ہدایات کے مطابق استعمال کرنا تو جائز اور درست ہے۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو علاج سے مریض اچھا ہو جائے گا' ورنہ مریض بیماری میں مبتلا رہے گا' کیونکہ شفا تو کسی کے اختیار میں نہیں۔ شفا دینے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ان الفاظ میں قرآن مجید میں موجود ہے:

﴿وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾﴾ (الشعراء)

''اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہ (اللہ) مجھے شفا بخشتا ہے۔''

اسی طرح کسی کے ہاں اولاد نہیں تو میاں بیوی حسبِ استطاعت اپنا علاج کرائیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو اولاد ہو جائے گی' ورنہ نہیں۔ پھر وہ اولاد دیتا ہے تو اس کی مرضی ہے' بیٹے دے یا بیٹیاں دے' یا بیٹے بیٹیاں دونوں دے' اور اگر چاہے تو بے اولاد رکھے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿٤٩﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾﴾ (الشوریٰ)

''تمام بادشاہت اللہ ہی کی ہے آسمانوں کی بھی اور زمین کی بھی۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے' یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت فرماتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے' وہ تو جاننے والا قدرت والا ہے۔''

قرآن مجید کی اس وضاحت کے باوجود اگر کوئی خدائی تعلیم سے منہ موڑتا ہے تو اسے حق کہاں سے ملے گا؟

شرکیہ طبیعت کے مسلمان غیب کی باتیں جاننا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے در در کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ دھوکے بازوں کے ساتھ رابطہ رکھتے اور دنیا اور دین خراب کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بتا چکا ہے کہ غیب کا علم صرف اُسی کو ہے۔ سورۃ الانعام

میں فرمایا:

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٩﴾﴾

''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اسے جنگلوں اور دریاؤں کی ہر شے کا علم ہے۔ اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ یا کوئی ہری یا سوکھی چیز نہیں مگر روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔''

بس اللہ تعالیٰ ہی غیب دان ہے۔ اللہ کی ہر صفت کی طرح غیب دانی کی صفت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ غیب کی بعض خبریں اپنے نبیوں کو دیتا ہے جن کی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ﴾ (یوسف:۱۰۲)

''(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) یہ اخبارِ غیب میں سے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی آیات نازل ہوتی تھیں تو آپؐ حقائق کی خبر پاتے تھے۔ غیب دانی اللہ کی صفت ہے۔ اگر مخلوق میں سے کسی کو غیب دان سمجھا جائے تو یہ شرک ہوگا۔ مخلوق میں سب سے بلند ہستی ہمارے نبی مکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو اللہ کے محبوب ہیں۔ ان کی زبان سے اعلان کروایا جا رہا ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ ۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٨﴾﴾ (الاعراف)

''کہہ دو میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو مؤمنوں کو ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔''

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن کی یہ وضاحت ہے تو اور کوئی غیب دان کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت مخلوق میں کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ مخلوق کے ہر فرد کو خالق کائنات ہی علم عطا کرتا ہے جتنا اس کے لیے مناسب ہوتا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

شعر کا علم نہیں دیا گیا (سورۃ یٰسین:۶۹)' کیونکہ وہ ان کے لائق نہیں۔ انسان کی کمزوری آڑے آتی ہے اور وہ بعض اوقات ناسمجھی میں ایسا جملہ بول دیتا ہے یا ایسا کام کر دیتا ہے جس سے شرک کی بو آتی ہے اور اس پر گرفت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ انسان شرک کی سنگینی کے پیش نظر محتاط رہے اور کوئی ایسا کام کرنے یا ایسے لفظ بولنے سے احتراز کرے جس سے شرکیہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہو۔ تاہم اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر مہربان ہے اور گناہوں پر سزا دینے کی بجائے اسے معاف کرنا زیادہ پسند ہے۔ انسان تو غیر ارادی طور پر اور بے خیالی میں ایسے کام کر گزرتا ہے یا ایسے جملے بول دیتا ہے جس سے شرکیہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے یا وہ توکل علی اللہ کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ انسان ایسے کاموں اور جملوں سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت طلب کرتا رہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا لوگو! اس شرک سے بچتے رہو کہ یہ چیونٹی کے رینگنے کی آواز سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ ایک شخص جسے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ پوچھے اس نے سوال کیا: یارسول اللہؐ! ہم اس سے کیسے بچیں جبکہ یہ چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ پڑھا کرو: اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ نُّشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَعْلَمُهٗ وَنَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا نَعْلَمُهٗ (مسند احمد) ''اے اللہ! ہم آپ سے پناہ مانگتے ہیں اس شرک سے جس کو ہم جانتے ہیں اور آپ سے معافی مانگتے ہیں اس شرک سے جس کو ہم نہیں جانتے۔''

نیکی کا ہر وہ کام شرکیہ ہے جس کے کرنے سے انسان اللہ کے سوا کسی اور کی خوشنودی یا رضا چاہے۔ ریا بھی شرک ہے کہ انسان نیک کام کرتا ہے مگر دوسروں کو دکھانے کے لیے تاکہ وہ اسے متقی اور پرہیزگار سمجھیں' مگر قیامت کے دن انسان کو صرف اس نیکی کا ثواب ملے گا جو اس نے محض اللہ کے لیے کی ہوگی۔ اسی لیے سب سے اعلیٰ صدقہ وہ ہے جو آدمی اس قدر خفیہ دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ اس نے دائیں ہاتھ سے کیا دیا ہے۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اعمال میں سے صرف اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالص اسی کے لیے ہو اور اس سے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی خوشنودی مقصود ہو۔''

آخرت میں حساب کے وقت لوگوں کے ڈھیروں نیک عمل ضائع سمجھے جائیں گے جو دوسرے انسانوں کو دکھاوے کے لیے کیے گئے ہوں گے۔ اسی لیے ریا کو بھی شرک کہا گیا ہے۔

❁ ❁ ❁

عِیدُ الفِطر

قلب و رُوح کی لطافت اور تزکیہ کا دِن

پروفیسر عبدالعظیم جانباز ☆

فلسفۂ عید

روح کی لطافت' قلب کا تزکیہ' بدن و لباس کی طہارت اور مجموعی شخصیت کی نفاست کے ساتھ بہ صد عجز و انکساری' بہ غایت خشوع و خضوع تمام مسلمانوں کا اسلامی اتحاد و اخوت کے جذبے سے سرشار ہو کر اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں سجدۂ بندگی اور نذرانہ شکر بجالانے کا نام ''عید'' ہے۔

رمضان کا نہایت ہی مقدس مہینہ اپنے ساتھ مخصوص غیر معمولی رحمتوں اور برکتوں سے مؤمنین کو فیض یاب کرتے ہوئے ہم سے رخصت ہوا اور آج عید کا مبارک دن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو پورا ایک ماہ اس کے حکم کے تابع' اس کی مرضی کے موافق' ہر روز ایک معیّن وقت کے لیے کھانے پینے اور دیگر جائز اور حلال چیزوں کے استعمال سے رکتے رہے' آج اُس عدت کے پورا ہونے پر' اُسی کے حکم سے رمضان کے روزے ختم کر کے عیدالفطر منا رہے ہیں اور اس بات پر خوش ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ایک فریضہ کی ادائیگی کی توفیق نصیب ہوئی۔ وہ پُرامید ہیں کہ مولا کریم اپنے بے پایاں فضل اور رحم کے ساتھ اُن کی اُن تمام مناجات کو شرفِ قبولیت بخشے گا جو مناجات انہیں رمضان کے خصوصی ایام میں اُس کے حضور پیش کرنے کی توفیق اور سعادت عطا ہوئی۔

عام طور پر لوگ خیال کرتے ہیں کہ مسلمان عیدالفطر کی خوشی اس لیے مناتے ہیں کہ

☆ Azeemjanbaz77@gmail.com

رمضان کے روزوں کی بھوک‘ پیاس اور دوسری خصوصی پابندیوں کی قید سے نجات ملی اور اب وہ آزاد ہیں کہ جو چاہیں کریں اور جس طرح چاہیں کھانے پینے اور دیگر امور میں تمام شروعی حدود و قیود کو پھلانگتے پھریں۔ یہ تصور جاہلانہ ہے اور رمضان اور روزہ کی حقیقی غرض و غایت سے عدمِ واقفیت پر دلالت کرتا ہے۔ اس قسم کے تصور کے حامل مسلمان ہی ہیں جن کے روزے ان کی زندگیوں میں ذرّہ بھر بھی تبدیلی برپا نہیں کرتے‘ کیونکہ ان کا روزہ محض بھوکا اور پیاسا رہنے کی حد تک ہوتا ہے اور وہ اسے محض ایک رسم کے طور پر رکھتے ہیں۔ چنانچہ اگر ہم اپنے ماحول میں ایسے لوگوں کی معاشرتی زندگی پر نظر ڈال کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ عملاً وہ رمضان میں بھی ایسے بہت سے افعالِ قبیحہ کے مرتکب ہوتے رہے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے اور اُن افعال کے مرتکبین کے لیے اللہ تعالیٰ کے کلام میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔

جہاں تک جماعت امتِ محمد یہ ﷺ کا تعلق ہے تو ہماری عید کی خوشی اس وجہ سے ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ توفیق بخشی کہ اُس کے حکم سے‘ اُس کی رضا کی خاطر روزے رکھیں‘ اس لیے ہمارا افطار کرنا بھی اُسی کے حکم کے تابع ہے۔ ہماری حقیقی خوشی اللہ تعالیٰ کے حکموں کی اطاعت و فرماں برداری میں مضمر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عید کی خوشی میں ہم بعض دیگر مسلمانوں کی طرح فضول‘ لغو اور بے ہودہ ناچ گانے کی مجالس یا پرتعیش دعوتوں میں منہمک نہیں ہوتے‘ بلکہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے‘ ہماری توجہ اُس کی تکبیر و تحمید اور اُس کے ذکر اور شکر کی طرف پہلے سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ قرآنِ مجید میں مؤمنین سے ایسی ہی خوشی منانے کی توقع رکھی گئی ہے۔ چنانچہ جہاں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم دیا گیا ہے اور روزے سے متعلق مختلف احکامات بیان فرمائے گئے ہیں‘ وہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٨٥﴾﴾ (البقرۃ)

’’(اس حکم کی غرض یہ ہے) تاکہ تم ایک مقررہ عِدّت کو پورا کرو اور اس بات پر اللہ کی بڑائی کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور تاکہ تم شکر کرو۔‘‘

پس بہت ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ کی منشا و مرضی کے مطابق اس کی رضا کی خاطر روزوں کی عدت پورا کرنے کی توفیق عطا ہوئی اور وہی ہیں جو اس سعادت کے ملنے پر خوشی کے جذبات سے معمور اللہ کی تکبیر کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت بخشی اور اپنی

رضا کی راہیں ان کے لیے کھولیں اور ان پر چلنے کی ہمت اور طاقت بخشی۔ چنانچہ رمضان میں ملنے والی سعادتوں پر نظر کرتے ہوئے ان کے دل حمد اور شکر سے لبریز ہیں اور تکبیر کے پاکیزہ وِرد سے مؤمنوں کی زبانیں تر ہیں۔ آیئے اُس نہایت عظیم ربّ العزت کی کبریائی‘ اُس کی توحید اور اُس کی حمد کے ذکر کو اس میں پنہاں معانی و مطالب میں ڈوبتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے بلند کریں اور اس کی تکبیر کرتے ہوئے اور سجداتِ شکر بجالاتے ہوئے عید کے ان ایام کو گزاریں کہ اُس کا وعدہ ہے کہ: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (ابراھیم:۷) ’’اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں اور بھی زیادہ دوں گا۔‘‘

ہماری حقیقی عید اور سچی خوشی اس بات میں ہے کہ ساری دنیا ہمارے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی تکبیر اور تحمید کے ذریعے شکر بجالائے۔ پس اے اللہ ربّ العزت! تو ہمیں اپنی آنکھوں سے وہ دن دکھا کہ ساری دنیا تیری تکبیر اور توحید اور حمد کے ترانوں سے گونجنے لگے۔

دنیا کی تمام اقوام و ملل اور مذاہب میں سال بھر میں چند ایام جشن‘ تہوار اور عید کے طور پر منائے جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر قوم اور مذہب و ملت کے لوگ اپنے ایامِ عید کو اپنے اپنے عقائد‘ تصورات‘ روایات اور ثقافتی اَقدار کے مطابق مناتے ہیں‘ لیکن اس سے یہ حقیقت ضرور واضح ہوتی ہے کہ تصورِ عید انسانی فطرت کا تقاضا اور انسانیت کی ایک قدرِ مشترک ہے۔ مسلمان قوم چوں کہ اپنی فطرت‘ عقائد و نظریات اور ملی اقدار کے لحاظ سے دنیا کی تمام اقوام سے منفرد و ممتاز ہے‘ اس لیے اس کا عید منانے کا انداز بھی سب سے نرالا ہے۔ دیگر اقوام کی عید تو محافل ناؤ نوش اور رقص و سرود بپا کرنے‘ دنیا کی رنگینیوں اور رعنائیوں میں کھو جانے کا نام ہے‘ جب کہ اس کے برعکس اسلام میں روح کی لطافت‘ قلب کے تزکیے‘ بدن و لباس کی طہارت اور مجموعی شخصیت کی نفاست کے ساتھ انتہائی عجز و انکسار اور خشوع و خضوع کے ساتھ تمام مسلمانوں کے اسلامی اتحاد و اخوت کے جذبے سے سرشار ہو کر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سجدۂ بندگی اور نذرانۂ شکر بجالانے کا نام عید ہے۔

قرآن مجید میں ذکرِ عید

قرآن مجید میں سورۃ المائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک دعا کے حوالے سے عید کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾﴾

''عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اے اللہ' ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک خوان اتار دے (اور اس طرح اس کے اترنے کا دن) ہمارے لیے اور ہمارے اگلوں' پچھلوں کے لیے (بطور) عید (یادگار) قرار پائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو' اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو بہترین رزق عطا فرمانے والا ہے۔''

اس سے اگلی آیت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾﴾

''اللہ نے فرمایا کہ میں یہ (خوان) تم پر اتار تو دیتا ہوں' مگر اس کے بعد تم میں سے جو کفر کرے تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا جو سارے جہانوں میں اور کسی کو نہ دیا ہو۔''

اسلام میں عید کا آغاز

خالص اسلامی فکر اور دینی مزاج کے مطابق اسلامی تمدن' معاشرت اور اجتماعی زندگی کا آغاز ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں عیدین کا مبارک سلسلہ شروع ہو گیا تھا' جس کا تذکرہ سنن ابی داؤد کی مندرجہ ذیل حدیث میں ملتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہلِ مدینہ دو دن بطورِ تہوار منایا کرتے تھے' جن میں وہ کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''یہ دو دن جو تم مناتے ہو' ان کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے؟'' (یعنی ان تہواروں کی اصلیت اور تاریخی پس منظر کیا ہے؟) انہوں نے عرض کیا کہ ہم عہدِ جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے) یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دونوں تہواروں کے بدلے میں تمہارے لیے ان سے بہتر دو دن مقرر فرما دیے ہیں' یوم (عید) الاضحیٰ اور یوم (عید) الفطر۔''

وہ تہوار جو اہلِ مدینہ اسلام سے پہلے عہدِ جاہلیت میں عید کے طور پر منایا کرتے تھے وہ غالباً نوروز اور مہرجان کے ایام تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ تہوار منانے سے منع فرما دیا اور فرمایا

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے میں اپنے خصوصی انعام و اکرام کے طور پر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے مبارک ایام مسلمانوں کو عطا فرمائے ہیں۔

عیدین کا پس منظر

جس طرح ہر قوم و ملّت کی عید اور تہوار اپنا ایک مخصوص مزاج اور پس منظر رکھتے ہیں' بالکل اسی طرح اسلامی عیدین کا بھی ایک حسین' دل کش اور ایمان افروز پس منظر ہے۔

رمضان المبارک ایک انتہائی بابرکت مہینہ ہے۔ یہ ماہ مقدس اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں' مغفرتوں اور عنایات و برکات کا خزینہ ہے۔ جب بندۂ مؤمن اتنی بے پایاں نعمتوں میں ڈوب کر اور اپنے رب کی رحمتوں سے سرشار ہو کر اپنی نفسانی خواہشات' سفلی جذبات' جسمانی لذات' محدود ذاتی مفادات اور گروہی تعصّبات کو اپنے رب کی بندگی پر قربان کر کے سرفراز و سربلند ہوتا ہے' تو وہ رشکِ ملائک بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے' از راہِ کرم عنایتِ باری تعالیٰ کا یہ تقاضا بن جاتا ہے کہ وہ پورا مہینہ اپنی بندگی میں سرشار' سراپا تسلیم و اطاعت اور پیکرِ صبر و رضا بندے کے لیے اِنعام و اِکرام کا ایک دن مقرر فرما دے۔ چناں چہ یہ ماہِ مقدس ختم ہوتے ہی یکم شوال کو وہ دن عید الفطر کی صورت میں طلوع ہو جاتا ہے۔

رمضان المبارک کی آخری رات فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق ''لیلۃ الجائزۃ'' (انعام کی رات) قرار پائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس اِنعام و اِکرام سے فیض یاب ہونے کے بعد اُس کا عاجز بندہ سراپا سپاس بن کر شوال کی پہلی صبح کو یومِ تشکر کے طور پر مناتا ہے۔ بس یہی حقیقتِ عید اور روحِ عید ہے۔ چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''رمضان کی آخری رات میں میری امت کے لیے مغفرت کا فیصلہ (بارگاہِ الوہیت سے) کر دیا جاتا ہے''۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا وہ (رات) شبِ قدر ہے؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: (شبِ قدر تو نہیں ہے) لیکن عمل کرنے والا جب عمل پورا کر دے تو (رحمتِ الٰہی کا تقاضا اور سنتِ جاریہ یہ ہے کہ) اُسے پورا اجر عطا کیا جاتا ہے۔''

نمازِ عید کے احکام و مسائل

نمازِ عید کا ثبوت صحیح احادیث سے ملتا ہے۔ احناف کے نزدیک عید کی نماز ہر اُس شخص پر

واجب ہے جس پر جمعہ فرض ہے۔ دیگر ائمہ میں سے بعض کے نزدیک فرضِ کفایہ ہے اور بعض کے نزدیک سُنّتِ مؤکدہ۔ نمازِ عید بغیر اذان و اقامت کے پڑھنا حدیث سے ثابت ہے۔ نمازِ عید کا وقت چاشت سے لے کر نصف النہار تک ہے۔ عیدالفطر ذرا تاخیر سے پڑھنا اور عیدالاضحیٰ جلدی پڑھنا مستحب ہے۔ نمازِ عید کے بعد امام کا دو خطبے پڑھنا سنت ہے۔ عید کی نماز آبادی سے باہر کھلے میدان میں پڑھنا سنت ہے' البتہ بارش' آندھی یا طوفان کے سبب مسجد میں بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ عیدالفطر میں نماز سے پہلے کچھ کھا پی لینا سنت ہے۔

یومِ عید کے مستحبات

عید کے دن یہ امور مستحب ہیں: حجامت بنوانا' ناخن تراشنا' غسل کرنا' مسواک کرنا' خوشبو لگانا' اچھے صاف ستھرے کپڑے (اگر دستیاب ہوں تو) پہننا' صبح کی نماز مسجد میں پڑھ کر عیدگاہ چلے جانا۔ فقہاء نے نمازِ عید سے پہلے اور فوراً بعد عیدگاہ میں نفل پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ نماز سے پہلے لوگ مختلف جہات سے کثرت سے آتے ہیں اور اسی طرح نماز کے بعد ہر طرف منتشر ہوتے ہیں' لہٰذا اس طرح کے ہجوم میں نہ نماز میں یکسوئی قائم رہ سکتی ہے اور نہ ہی نماز کا تقدس و احترام باقی رہ سکتا ہے۔ البتہ ان اوقات میں گھر پر نفل پڑھنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

سنت یہ ہے کہ آدمی جس راستے سے عیدگاہ جائے' نماز پڑھ کر اُس راستے کے بجائے دوسرے راستے سے گھر واپس جائے۔ بخاری شریف میں حدیث ہے' حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عید کے دن نبی اکرم ﷺ (عیدگاہ آنے جانے میں) راستہ تبدیل کرتے تھے۔

عید نہ منانے کا رویہ

قوموں کی زندگی میں الیے' حوادث اور مصائب پیش آتے رہتے ہیں اور بدقسمتی سے گزشتہ کئی برسوں سے اس طرح کے الم ناک واقعات ہماری روزمرہ زندگی کا ایک معمول بن چکے ہیں۔ ایسے حوادث کے پیشِ نظر اکثر اوقات بعض افراد یا حلقوں کی جانب سے یہ سننے میں آتا ہے کہ اس سال ہم عید نہیں منائیں گے۔ اس طرح کے بیانات کے پیچھے شاید نیک نیتی حُبّ الوطنی' اُخوتِ اسلامی اور انسانیت دوستی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہوگا' لیکن سوال یہ ہے کہ عید نہ

منانے کا مطلب کیا ہے؟ یہ کوئی جشن یا تہوار تو ہے نہیں' یہ تو عبادت اور سنتِ مصطفیٰ ﷺ ہے' اخوتِ اسلامی اور اتحادِ امت کا مظاہرہ ہے' جمعیتِ قومِ مسلم کا ایک حسین منظر ہے' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دوگانہ نمازِ عید کی ادائیگی کا نام ہے' شرافت' متانت اور نفاست جیسی انسانی خصوصیات کا مظہر ہے۔

ان میں سے کوئی چیز اور کوئی بات ایسی نہیں جو عسر و یسر اور رنج و راحت ہر حال میں مطلوب نہ ہو۔ باقی رہا لہو و لعب میں مشغولیت' رقص و سرود کی محافل برپا کرنا' ناؤ نوش اور محرماتِ شرعیہ کا ارتکاب اور ہوسِ نفس کی تسکین کے سامان بہم پہنچانا' تو یہ ایسے امور ہیں جن کا اسلامی تصورِ عید سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے' اور جو ایک مسلمان کو نہ صرف عید کے مقدس موقع پر بلکہ زندگی کے ماہ و سال کے ہر لمحہ و لحظہ میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینے چاہئیں' بلکہ ان محرمات و منکراتِ شرعیہ کو چھوڑنا ہی ایک مؤمنِ کامل کی حقیقی عید ہے' اور ایسی عید اللہ تعالیٰ ہر بندۂ مؤمن کو نصیب فرمائے۔

اس سے ہٹ کر کہ مسرت کا موقع ہو یا رنج و غم کا' مسلمانوں کا آپس میں مل بیٹھنا' نفرتوں' عصبیتوں اور کدورتوں کو مٹانا اور محبتوں کی خوشبوؤں کو قلب و نظر میں بسانا اگر غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کو عید کے دن میسر ہو جائے' تو یہ معراجِ عید ہوگی۔ لہٰذا قومی' ملی اور ملکی سانحات کے موقع پر اور ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ سے رجوع کریں' استغفار کریں اور اس کی رحمتوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے ساتھ ساتھ آفات و بلیات کے ٹلنے کی دعائیں کریں۔

❁❁❁

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت' اہمیت و لزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

اشاعت خاص: 60 روپے اشاعت عام: 30 روپے

روزہ اور مذاہبِ عالَم

مسز بینا حسین خالدی ☆

روزے کو عربی زبان میں ''صوم'' کہا جاتا ہے، جس کے لفظی معنی ''رکنے'' اور ''چپ رہنے'' کے بھی ہیں۔ بعض مفسّرین نے اس کا مفہوم ''صبر'' کا بھی لیا ہے، جس کی رو سے صوم کے معنی ضبطِ نفس، ثابت قدمی اور استقلال کے بھی ہیں۔

رمضان عربی زبان میں لفظ ''رَمَضَ'' سے بنا ہے اور اس کے معنی عربی زبان میں جلنے اور جلانے کے ہیں۔ روزہ کی نسبت جب رمضان کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جو روزے دار آدمی کے گناہوں کو جلا کر اسے گناہوں سے بالکل پاک صاف کر دے اور آدمی اس ماہِ مبارک کے ذریعے خواہشاتِ نفسانیہ اور حرص و ہوا کا شکار بننے سے محفوظ رہے۔

روزہ اسلام کا تیسرا اہم رکن ہے جو ۲ ہجری میں فرض ہوا۔ روزے کی مشروعیت اسلام کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ زمانہ قبل از اسلام اس کی مشروعیت دیگر مذاہب میں پہلے سے چلی آ رہی تھی۔ اس حقیقت کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اس وقت دنیا کی تقریباً تمام بڑی قوموں اور ان کے مذاہب میں روزہ رکھنا بطور رسم و رواج پایا جاتا ہے۔ ان مذاہب میں روزہ رکھنے کے اصول و آداب اور طور طریقے اپنے اپنے علاقے کی آب و ہوا اور تہذیب و تمدن کے فرق کے لحاظ سے مختلف سہی، لیکن یہ کم و بیش دنیا کے تمام بڑے مذاہب میں مروج ہے۔ دیگر ادیان و مذاہب میں روزہ کی ابتدا اور مشروعیت کے اسباب و علل کچھ بھی ہوں، بہر حال وہ دینِ اسلام میں روزہ کی مشروعیت کے اسباب کی کسی صورت ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

فارسی زبان میں روزے کو ''روزہ داری''، ہندی میں ''بھرت'' یا ''بَرت'' اور انگریزی میں ''فاسٹنگ'' (Fasting) کہتے ہیں۔ مختلف مذاہب میں روزے کے ساتھ مختلف عقائد و

☆ ایڈووکیٹ، صادق آباد

تصورات وابستہ ہیں۔ عیسائی مذہب میں روزہ رکھنے کو اللہ تعالیٰ کے لیے ایک اہم فریضہ خیال کیا جاتا ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چالیس دن تک جنگل میں رہ کر روزہ رکھنا ثابت ہے۔ مقدس کتاب انجیل میں حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو خوشدلی کے ساتھ روزہ رکھنے کی تاکید کی ہے۔ عیسائی لوگ فرض روزوں کے ساتھ ساتھ نفلی روزے بھی کثرت سے رکھتے ہیں۔ رومن کیتھولک عیسائیوں میں بدھ اور جمعہ کو اب بھی روزہ رکھا جاتا ہے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ چرچ کا پادری سال میں کسی بھی وقت روزہ رکھنے کا شیڈول جاری کرتا ہے جو سال کے پہلے تین دن، سات دن، اکیس دن یا مہینے پر مشتمل ہوتا ہے۔ عیسائی لوگ اپنی مرضی اور سہولت کے مطابق شیڈول پسند کر کے روزے رکھتے ہیں۔ ان روزوں کی خاص بات یہ ہے کہ ان میں پانی پینے کی اجازت ہوتی ہے، کیونکہ ان کے بقول پانی خوراک میں شامل نہیں ہے۔ آج کے جدید دور میں کچھ پادریوں نے روزہ رکھنے کو انسان کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے اور اس کی فرض کی حیثیت بھی ساقط کر دی ہے۔

روزہ رکھنے کے بارے میں یسوع مسیح نے اپنے شاگردوں کو پہاڑ پر بلا کر جو وعظ دیا تھا اس کے الفاظ یہ تھے:

> ''اور جب بھی تم روزہ رکھو تو اسے ظاہر نہ کرو، جیسا کہ منافق کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ شکستہ حال اور پریشان دکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ لوگ روزہ رکھنے کے لیے ان کی تعریف کریں۔ میں تمہیں سچائی بتاتا ہوں کہ صرف وہ اجر (یعنی تعریف) ہی ہے جو انہیں ملے گا۔ جب تم روزہ رکھو تو کنگھی کرو اور اپنا چہرہ دھوؤ تاکہ کوئی یہ نہ جان سکے کہ تم روزے سے ہو سوائے تمہارے خدا کے جو ان تمام باتوں کو جانتا ہے جو تم خفیہ طور پر کرتے ہو اور تمہارا خدا جو سب کچھ جانتا ہے تمہیں اس کا اجر و ثواب دے گا۔'' (متی ۶:۱۶)

کیتھولک عیسائیت میں روزے کو ایک ایسا معمول سمجھا جاتا ہے جو روحانی طور پر مضبوطی فراہم کرتا ہے۔ ایسی چیز کو چھوڑ کر جو کہ گناہ نہیں ہے، کیتھولک اپنی شہوانی خواہشات پر قابو پاتے اور غریبوں کے ساتھ میل جول اور رشتوں کو برقرار رکھتے ہیں۔ ''گڈ فرائیڈے'' کا روزہ اس دن کی یاد میں رکھا جاتا ہے جب یسوع مسیح کو ایذا دی گئی۔ حال ہی میں انجیلی روزے تیزی سے مقبول ہوئے ہیں جنہیں لوگ روحانی تغذیہ اور غریبوں کے ساتھ اتحاد کے لیے رکھ رہے ہیں۔ کچھ عیسائی معاشروں میں روزے ایک سیاسی یا سماجی انصاف کے ایجنڈے کو آگے

بڑھانے کے لیے رکھے جاتے ہیں۔ جہاں تک پروٹسٹنٹ فرقے کا تعلق ہے وہ ذاتی روحانی تجربے کا ایک اہم حصہ بننے کے لیے عام طور پر روزے کو نماز کے ساتھ شمار کرتے ہیں۔

ہندوستان میں پایا جانے والا قدیم مذہب ہندومت جو تقریباً چار ہزار برس پرانا ہے' درحقیقت روزوں' دعوتوں اور تہواروں کا مذہب ہے۔ ان تہواروں میں جن کو سالانہ منایا جاتا ہے بعض تہوار روزہ (بھرت/برت) کے لیے مخصوص ہیں۔ ہر ہندو فرقے نے دعا وعبادت کے لیے کچھ دن مقرر کر رکھے ہیں جن میں اکثر افراد روزہ رکھتے ہیں' کھانے پینے سے باز رہتے ہیں' رات رات بھر جاگ کر مذہبی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں اور مراقبہ بھی کرتے ہیں۔

مختلف تہواروں پر اس طرح روزہ رکھنا عوام کا طریقہ ہے۔ خواص ان مواقع پر تو روزہ رکھتے ہیں' لیکن وہ ان کے علاوہ اور روزے بھی رکھتے ہیں' مثلاً جوگی چلّہ کشی کرتے ہیں' یعنی چالیس دن تک کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ جوگی اور بھی کئی طرح کے روزے رکھتے ہیں اور اپنے اس عمل کی وجہ سے بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ہندوؤں میں بعض روزے ایسے بھی ہیں جو برتر ذات کے برہمنوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً ہر ہندی مہینے کی گیارہ اور بارہ تاریخ کو برہمنوں پر ''اکادشی'' کا روزہ فرض ہے۔ اس کے علاوہ بعض برہمن ہندی مہینے ''کاتک'' کے ہر پیر کو روزہ رکھتے ہیں۔ ہندو سنیاسیوں کا طریقہ ہے کہ وہ ''یاترا'' یعنی مقدس مقامات کی زیارت کے دوران بھی روزے رکھتے ہیں۔ ہندوؤں میں نئے اور پورے چاند کے دنوں میں بھی روزہ رکھنے کا رواج ہے۔ Sacred Book of East میں ویدوں کے حوالے سے ان روزوں کی ترغیب یوں دی گئی ہے:

''صاحب خانہ اور اس کی بیوی کو نئے اور پرانے چاند کے دنوں میں روزہ رکھنا چاہیے۔''

''پورے چاند کے دن جبکہ رات اور دن کے ملاپ کے وقت چاند طلوع ہوتا ہے تو آدمی کو چاہیے کہ وہ روزہ رکھے۔''

اس کے علاوہ ان کے ہاں قریبی عزیز یا بزرگ کی وفات پر بھی روزہ رکھنے کا رواج ہے۔ ان کی مذہبی کتابوں میں اس بارے میں یہ ہدایات ہیں کہ:

''اگر آدمی کی بیوی' بڑا گرو' یا باپ انتقال کر جائے تو موت کے دن سے لے کر اگلے دن اسی وقت تک روزہ رکھنا چاہیے۔''

گناہوں کے کفارے کے طور پر بھی ہندوؤں میں روزہ رکھا جاتا ہے۔ "Sacred

Book of East" میں کفارے کے روزے کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''اگر کوئی شودر کسی دودھیل گائے یا جوان بیل کو بغیر کسی وجہ کے مار ڈالے یا کسی کو بے وجہ گالی دے تو اس پر کفارے کے طور پر لازم ہے کہ سات دن تک روزے رکھے۔''

''کھانے کے دوران اگر میزبان کو یاد آ جائے کہ اس نے مہمان کو خوش آمدید نہیں کہا تھا تو اسے کھانا چھوڑ کر فوراً روزہ رکھنا چاہیے۔''

ہندوؤں میں یہ عقیدہ بھی پایا جاتا ہے کہ کسی کی وفات یا پیدائش کی بعض صورتیں انسان کے لیے ناپاکی کا باعث بنتی ہیں۔ یہ ناپاکی برہمن کو لاحق ہو تو دس دنوں میں ختم ہو جاتی ہے' کھتری کو لاحق ہو تو پندرہ دنوں میں اور ویش کو لاحق ہو تو بیس دنوں میں ختم ہو جاتی ہے۔ شودر کی ناپاکی کے اس عرصے میں اگر کوئی آدمی اس کے ہاں کھانا کھائے تو سخت گناہگار ہوگا۔ اس گناہ کے کفارے کے طور پر بارہ نصف مہینوں کے روزے رکھنے سے اس کے گناہ سے پاک ہونے کی صورت بیان کی گئی ہے۔ گرو (استاد) کے ساتھ آداب ملحوظ نہ رکھنے کی صورت میں بھی اس جرم کا کفارہ روزہ رکھنا ہے۔

ہندوؤں میں بعض عمومی واقعات سے بُرا شگون لینے کا بہت رواج ہے۔ ان کی مذہبی کتابوں میں ایسی بدشگونیوں کے اثرات سے بچنے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ ''اگر استاد اور شاگرد کے درمیان سے کُتا' نیولا' سانپ' مینڈک یا بلی گزر جائے تو ان کے لیے تین دن کا روزہ اور سفر ضروری ہے''۔ ان سب روزوں کے علاوہ ہندوؤں میں نیت اور نذر کے روزے رکھنے کا بھی رواج ہے۔ ویدوں کی تلاوت کے اختتام پر روزہ رکھنے کا بھی رواج ہے' اور شکرانے کے روزے بھی رکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہندومت کے بارے میں یہ کہنا بجا ہے کہ اس مذہب میں روزے کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔

چھ ہزار پانچ سو پچاس سال پرانے مذہب ''جین مت'' جس کا آغاز بھی ہندوستان کے علاقے اتر پردیش سے ہوا تھا' میں بھی یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ راہبانہ ریاضتیں انسان کے باطن کی اصلاح کرتی ہیں۔ وہ انہی ریاضتوں میں روزے کو بھی شامل کرتے ہیں۔ ان ریاضتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب سنیاسی ریاضتیں کرتے کرتے بوڑھا ہو جاتا ہے تو وہ اپنی روحانی ترقی کے لیے چاہے تو رضا کارانہ طور پر اپنے لیے ''تا مرگ'' روزے کا انتخاب کر سکتا ہے' یعنی وہ سنیاسی روزہ رکھ لے گا اور افطار نہیں کرے گا حتیٰ کہ وہ مر جائے گا۔

جین مت یا جین دھرم میں سنیاسی حضرات کے روزوں کے بارے میں مولانا سید سلیمان ندویؒ اپنی کتاب ''سیرت النبی ﷺ'' میں لکھتے ہیں کہ ''جین دھرم میں روزے کی سخت شرائط ہیں' چالیس چالیس دن تک کا ان کے ہاں ایک روزہ ہوتا ہے۔ گجرات اور دکن میں ہر سال جینی کئی کئی ہفتے کا روزہ رکھتے ہیں''— جینیوں کے ہاں یہ رواج بھی ہے کہ ان کے ہاں لڑکیاں شادی سے پہلے اچھے شوہر اور خوشگوار ازدواجی زندگی کے حصول کے لیے دعا کرتی ہیں اور اس دعا کی قبولیت کے لیے روزہ رکھتی ہیں۔

قدیم پارسی مذہب میں بھی اگرچہ کبھی کبھار روزہ رکھا جاتا ہے لیکن عام طور پر روزہ رکھنا پسند نہیں کیا جاتا۔ اس مذہب کے پیروؤں کا خیال ہے کہ روح کی ترقی کے لیے جسم کو روزے کی مشقتوں میں ڈالنا درست نہیں۔ ان کا کہنا ہے ''ہمارا روزہ یہ ہے کہ ہم اپنی زبان' آنکھ' کان اور ہاتھ سے کوئی گناہ سرزد نہ ہونے دیں۔ دوسرے مذاہب میں جو روزہ نہ کھانے پینے سے ہوتا ہے ہمارے ہاں وہ روزہ گناہ نہ کرنے سے ہوتا ہے''۔ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''پارسی مذہب میں' گو عام پیروؤں پر روزہ فرض نہیں' لیکن ان کی الہامی کتاب کی ایک آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ہاں روزے کا حکم موجود تھا۔ خصوصاً مذہبی پیشواؤں کے لیے تو پنج سالہ روزہ ضروری تھا۔''

پارسی مذہب کے بانی زرتشت تھے' اس مذہب کی ابتدا چھٹی صدی قبل مسیح میں ایران سے ہوئی۔ جب مسلمانوں نے ایران فتح کر لیا تو اس کے بعد پارسی ہندوستان کی طرف ہجرت کر گئے۔

بدھ مت میں بھی مذہبی پیشواؤں کو یہ ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ہر مہینے کی چودہ' پندرہ اور انتیس' تیس تاریخ کو روزے رکھیں۔

چین کے مذہب میں بھی روزوں کا تصور ملتا ہے۔ اس کے علاوہ کنفیوشس ازم اور تاؤازم جنہیں ہم مذہب و اخلاق کے حوالے سے اصلاحی تحریکوں کا نام دے سکتے ہیں' ان میں بھی روزوں کو اہمیت دی گئی ہے۔ چینی مذہب میں ایک رسم ''چائی'' کہلاتی ہے۔ اس رسم میں قربانی سے پہلے روزے رکھے جاتے ہیں۔ ان کے ہاں آباء و اجداد کی روحوں کی قربانی پیش کی جاتی ہے۔ ان روزوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ ان ارواح سے بذریعہ کشف رابطہ کریں۔ اس کشف کے حصول کے لیے وہ اپنے ذہنوں کو ان ارواح کے بارے میں مختلف خیالات سے

معمور کیے رکھتے ہیں اور یہ عمل روزے کی حالت میں کیا جاتا ہے۔ چنانچہ عبادت سے پہلے تیاری کے طور پر سات دن روزے رکھے جاتے ہیں اور شب بیداری کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ چینیوں کے ہاں ہندوؤں ہی کی طرح ماتمی روزے رکھنے کا تصور بھی ملتا ہے۔

قدیم جاپانی تہذیب کو دیکھئے' وہاں بھی ہمیں روزے کا تصور ملتا ہے۔ جاپان میں کسی کی وفات کے موقع پر یہ رواج تھا کہ تمام لوگ جزوی روزہ رکھتے تھے اور سبزیوں پر مشتمل ایک بہت ہی سستی غذا کھاتے تھے۔ والدین اپنی اولاد کی وفات پر مسلسل پچاس دن یہی خوراک استعمال کرتے تھے۔

روس کے انتہائی شمالی علاقے سائبیریا میں اسکیموز کے ہاں بھی روزہ ایک خاص عبادت کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو اسکیمو نوجوان Angekok (ارواح سے تعلق قائم کرنے والا) بننا چاہتا ہے وہ دنیوی کاموں سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے اور اس وقت تک روزے رکھتا ہے جب تک اسے ارواح اپنے آس پاس دکھائی نہ دیں۔

برازیل (جنوبی امریکہ) میں وہ لوگ جو روحانی گرو (Paje) بننے کی خواہش رکھتے ہیں انہیں دو سال تک تنہائی میں رہ کر روزے رکھنے پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے ہاں فن طب سیکھنے کے لیے بھی بہت سخت روزے رکھوائے جاتے ہیں۔ اس ریاضت کو وہ فن طب کا ایک ضروری حصہ سمجھتے ہیں۔

براعظم آسٹریلیا میں جو قبائل آباد ہیں ان میں سے بعض کے نزدیک عظیم قوتوں یعنی دیوتاؤں سے اجر حاصل کرنے کے لیے روزہ پسندیدہ عمل ہے۔ وسطی آسٹریلوی قبائل میں دیوتاؤں کی مدد سے پیداوار میں برکت کے لیے روزہ رکھا جاتا ہے۔ نیوساؤتھ ویلز کے قبائل میں ''بورا'' نامی ایک تقریب منعقد کی جاتی ہے جس میں نوعمر لڑکوں کو روزہ رکھوایا جاتا ہے۔ یہ روزہ دو دن پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس میں خوراک تو ممنوع ہوتی ہے لیکن تھوڑا بہت پانی پینے کی اجازت ہوتی ہے۔ ان کے ہاں اس روزے کا مقصد لڑکوں کی اخلاقی اور معاشرتی تربیت ہے۔

متعدد افریقی قبائل میں بھی روزہ موجود ہے۔ یہ قبائل عموماً اموات پر روزہ رکھتے ہیں۔ یوروبا قبیلے میں بیوہ اور اس کی بیٹی کو ایک دن رات کے لیے کمرے میں بند کر دیا جاتا ہے اور ان کا کھانا پینا روک دیا جاتا ہے۔ جنوبی افریقہ کے زولو قبیلے کے لوگ خدائی الہام پانے کے لیے

روزے رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ روزے کئی کئی دنوں پر محیط ہوتے ہیں۔

افریقہ سے نکل کر یورپ کے علاقوں میں چلے آیئے تو یہاں بھی روزوں کا تصور پوری شان سے پایا جاتا ہے۔ رومی تہذیب کے بعض مذاہب کو mystery religions میں شمار کیا جاتا ہے۔ انہیں ماننے والوں کا عقیدہ ہے کہ دیوی دیوتاؤں کی قربت حاصل کرنے یا ان سے دانائی پانے کے لیے روزے کا عمل بہت معاون ثابت ہوتا ہے۔ ان کے ہاں ۲۴ مارچ کو روزہ رکھا جاتا ہے اور اس سے اگلے دن عظیم تہوار منایا جاتا ہے۔ قدیم رومیوں میں بادشاہ اور سلاطین خود بھی روزے رکھتے تھے۔

قدیم یونانیوں کے ہاں بھی روزے کا تصور موجود ہے۔ ان کے ہاں یہ دستور ہے کہ وہ قربانی سے قبل روزہ رکھتے تھے۔ وفات کے موقع پر اور توبہ کے لیے ان کے ہاں روزے کا رواج ہے۔ ''اکارکا'' غار جس کے اندر پائے جانے والے بخارات میں طبی فوائد پائے جاتے ہیں، اسے انہوں نے ''دارالستخارہ'' کا نام دے رکھا تھا۔ اس کے اندر بیمار اپنے علاج کے لیے کئی دنوں تک بغیر کھائے پیے قیام کرتا تھا۔

فیثا غورثی مکتب فکر میں روزہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنے کی ایک شکل تھی۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ابتدا میں انسانیت کامل تھی، گناہ کی آمیزش سے اس کی یہ پرہیزگاری باقی نہ رہی۔ اب روزہ رکھنے اور دوسری زاہدانہ عبادات کرنے سے اس کی وہ پہلی پرہیزگاری بحال ہوسکتی ہے۔ فیثا غورث کا اپنا طریقہ یہ تھا کہ وہ مسلسل چالیس روزے رکھا کرتا تھا۔

قدیم مصری تہذیب میں گناہوں سے توبہ کرنے اور خدا کے عذاب سے بچنے کے لیے روزے رکھے جاتے تھے۔ ان روزوں کے دوران ہر طرح کی آسائش و راحت ممنوع تھی اور خواہشات کو پورا کرنے والی چیزوں کا استعمال بھی ناجائز تھا۔

امریکن انڈین جنہیں امریکہ کے قدیم اور اصل باشندے کہا جاتا ہے، ان کے مختلف قبائل کو دیکھئے، روزہ آپ کو وہاں بھی ملے گا۔ ان قبائل میں یہ عقیدہ راسخ تھا کہ روح اکبر (Great Spirit) سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے روزہ بہت مؤثر ذریعہ ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے کسی بہادر آدمی کو روزہ رکھوا کر اجاڑ بیابان میں تنہا بھیج دیا جاتا تھا۔ وہ وہیں رہتا حتیٰ کہ خواب یا کشف میں اس پر آسمانی حکمت کا نزول ہوتا اور محافظ روح کی جانب سے

اسے اس کے مستقبل کے لیے ضروری رہنمائی مل جاتی۔ ان کے ہاں مختلف دنیوی مقاصد کے حصول کے لیے بھی روزے رکھے جاتے ہیں، مثلاً جسمانی قوت میں اضافے، مچھلی کے شکار اور جنگ میں کامیابی کی خاطر روزے رکھے جاتے تھے۔

برٹش کولمبیا (شمالی امریکہ) میں یہ رواج ہے کہ لوگ جنازے کے موقع پر ہونے والے کھانے کے بعد چار دن روزے رکھتے ہیں۔ میکسیکو کے باشندوں میں بھی توبہ کرنے اور قلب (باطن) کو پاک کرنے کے لیے روزے رکھے جاتے ہیں۔ نیوگنی کے قبائل میں جزوی روزے رکھنے کے لیے کھانے کی متعدد اشیاء سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں روزے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ آدمی اپنی پسند کی چیزیں کچھ عرصے کے لیے ترک کر دیتا ہے۔

فجی(Fiji) میں دس سے بیس دن تک کے روزے رکھے جاتے ہیں۔ ان کے ہاں عقاب ایک مقدس پرندہ مانا جاتا ہے، چنانچہ اس کا شکار کرنے سے قبل شکاری ایک طویل عرصے تک روزے رکھتا اور دعائیں کرتا ہے۔ ان کے ہاں یہ رواج بھی ہے کہ بعض اموات پر لڑکیاں اس لیے روزے رکھتی ہیں کہ یہ ارواح دوبارہ ان کے ذریعے سے جنم لیں۔

حضرت یونس علیہ السلام نینوا میں آشوریوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان لوگوں نے پہلے تو ان کی تکذیب کی لیکن بعد میں ایمان لے آئے، تو اس موقع پر انہوں نے جو توبہ کی تھی تورات میں اسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

> ''نینوا کے باشندے خدا پر ایمان لائے اور روزے کا اعلان کر کے سب کے سب، کیا ادنیٰ کیا اعلیٰ، ٹاٹ سے ملبس ہوئے اور یہ بات شاہِ نینوا کو بھی پہنچ گئی تو اس نے تخت سے اٹھ کر شاہی لباس اتار ڈالا اور ٹاٹ اوڑھ کر راکھ پر بیٹھ گیا اور فرمان صادر کیا کہ بادشاہ اور ارکانِ دولت کے حکم سے نینوا میں یہ اعلان ہو کہ کوئی انسان یا حیوان یا گائے اور بیل، بھیڑ اور بکری نہ کچھ چکھے اور نہ کھائے اور نہ پانی پیے۔ اس کے علاوہ انسان اور حیوان ٹاٹ اوڑھیں اور خداوند کے حضور گریہ وزاری کریں اور ہر ایک اپنی بُری روش اور اپنے ہاتھ کے ظلم سے توبہ کرے۔'' (کتاب یونس ۳:۵ تا ۹)

❁❁❁

سانحہ کرائسٹ چرچ اور اسلاموفوبیا

محمد عمران خان (کراچی)☆

۱۵ مارچ ۲۰۱۹ء کے روز دورانِ نمازِ جمعہ نیوزی لینڈ (کرائسٹ چرچ) کی النور مسجد اور پھر چند منٹوں کے بعد لن ہوڈ اسلامک سینٹر میں داخل ہو کر ایک سفید فام ۲۸ سالہ آسٹریلوی دہشت گرد برینٹن ہیریسن ٹیرینٹ نے ۵۱ نہتے نمازیوں کو اندھا دھند فائرنگ کر کے شہید کر دیا جبکہ ۵۰ دیگر افراد زخمی ہوئے۔ اس دہشت گردانہ حملے کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس حملہ کے دوران حملہ آور تقریباً ۱۷ منٹ کی لائیو اسٹریمنگ سوشل میڈیا یعنی فیس بک پر نشر کرتا رہا۔ حملے سے پہلے ملزم نے اپنا منشور سوشل میڈیا کے ذریعے شیئر بھی کیا۔ اس کا شیئر کیا گیا منشور تارکین وطن مخالف' مسلمانوں سے نفرت اور سفید فام قوم پرست خیالات پر مبنی تھا۔ اگرچہ اسے کافی دیر گزرنے کے بعد فیس بک نے ہٹا دیا لیکن اس کے کلپس انٹرنیٹ پر بہت زیادہ شیئر کیے گئے۔ آسٹریلین سیاستدان سینیٹر فریسر اینگ نے مسلمانوں کو اس نفرت انگیز کارروائی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے کہا: ''نیوزی لینڈ میں اس خون خرابے کی اصل وجہ مسلمان تارکینِ وطن ہیں جنہیں نیوزی لینڈ آنے کی اجازت دی گئی''۔ اس کا کہنا تھا کہ یہی وقت ہے جب ہمیں بنیاد پرست مسلمانوں کے خلاف کارروائی کرنا چاہیے اور انہیں اپنی کمیونٹی سے نکال دینا چاہیے۔ لیکن یہ بات کرتے ہوئے یہ سیاستدان بھول رہا تھا کہ نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا آنے والے ان مسلمان تارکین وطن نے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور فنی مہارت کی بنیاد پر وہاں اپنی جگہ بنائی ہے۔ چند ماہ پہلے ۲۰ نومبر ۲۰۱۸ء کو اسی قسم کے مسلم مخالف اور متعصّبانہ خیالات کا اظہار آسٹریلوی وزیراعظم اسکاٹ ماریسن نے بھی اپنے ٹوئٹر بیان میں اس طرح کیا تھا: ''بنیاد پرستانہ اسلام ایک سنجیدہ مسئلہ ہے۔ اور یہ کہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ آسٹریلیا کو ان سے محفوظ بنائیں۔''

نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کے باہمی تعلقات کو ٹرانس تیسمان (Trans-Tasman) کا

☆imran2010@gmail.com

نام دیا جاتا ہے۔ یہ دونوں ممالک سابقہ برطانوی نوآبادیاتی ورثہ کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان دونوں ممالک میں مقامی باشندوں مثلاً ابوریجنل اور ٹورس اسٹریٹ آئی لینڈرز کی جگہ غیر مقامی لوگوں نے لے لی ہے۔ یہاں بسنے والوں کی اکثریت برطانیہ سے یہاں منتقل ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ان ممالک کی زبان اور کلچر بھی انگلش اور درحقیقت انگلینڈ ہی کی توسیع ہے۔ ۱۹۵۱ء سے اب تک آسٹریلیا امریکا کا باقاعدہ فوجی حلیف شمار ہوتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد آسٹریلیا نے یورپ سے تارکین وطن کی حوصلہ افزائی کی۔ ۱۹۷۳ء میں سفید آسٹریلیا کی پالیسی (White Australia Policy) کے اختتام پر ایشیا اور دیگر غیر یورپی علاقوں کے باشندوں نے آسٹریلیا جانا شروع کیا۔ آسٹریلیا ایک خوشحال اور مغربی انداز کی معیشت رکھنے والا ملک ہے۔ دو کروڑ دس لاکھ آسٹریلوی ۱۹ویں اور ۲۰ویں صدی کے آبادکاروں کی اولاد ہیں جن کی اکثریت برطانیہ اور آئرلینڈ سے آئی تھی۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمے سے اب تک آسٹریلیا کی غیر مقامی آبادی چار گنا بڑھ چکی ہے۔ اس کی ایک وجہ پُرکشش پروگرام برائے تارکین وطن بھی ہے۔ دوسری جنگ عظیم سے لے کر ۲۰۰۰ء تک تقریباً ۶۹ لاکھ افراد بطور نئے تارکین وطن (immigrants) کے طور پر آئے۔ گویا آسٹریلوی آبادی کے ہر سات میں سے دو افراد آسٹریلیا سے باہر پیدا ہوئے ہیں۔ زیادہ تر تارکین وطن ہنرمند ہیں لیکن کچھ تعداد پناہ گزین مہاجرین کی بھی ہے۔ سرکاری طور پر آسٹریلیا کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ ۲۰۰۶ء کے سروے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کل آبادی کا ۶۰ فیصد حصہ مسیحی ہے جبکہ ۱۹ فیصد لادین ہیں۔ مسلم آبادی کا تناسب ۲.۶ فیصد ہے۔ نیوزی لینڈ کی ۳۸ویں وزیراعظم جیسنڈا آرڈرن کا تعلق ڈیموکریٹک سوشلسٹ سینٹرل لیفٹ 'لیبر پارٹی' سے ہے جو رائیٹ ونگ کے مخالف نظریات کی حامل ہے۔ یاد رہے! نیوزی لینڈ کی مساجد پر حملہ کرنے والا ٹیرینٹ رائیٹ وِنگ سے تعلق رکھتا ہے۔ آرڈرن امریکہ کے ساتھ مل کر عراق پر حملہ کرنے والے سابقہ برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر کی پالیسی ایڈوائزر بھی رہی' اگرچہ موصوفہ خود کو ٹونی بلیئر کے عراق حملہ کی مخالف کہتی ہیں۔ نیوزی لینڈ میں مسلم آبادی ۱.۲ فیصد ہے جبکہ کرائسٹ چرچ میں تقریباً ۳۰۰۰ مسلمان آباد ہیں۔

سانحہ کرائسٹ چرچ پر ایک نظر

کرائسٹ چرچ مسجد النور پر حملہ آور شخص نے موڈیفائیڈ ہتھیاروں پر اپنی آئیڈیل شخصیات اور واقعات کے نام درج کر رکھے تھے۔ اُن میں ایک وہ اسٹوڈنٹ تھا جس نے سوئیڈن میں دو مہاجر لڑکوں کو قتل کیا' جس کا نام اینٹن لنڈن پیٹرسن تھا۔ دوسرا ۲۰۱۷ء میں کینیڈا کی مسجد میں حملہ کر کے ۶ نمازیوں کو شہید کرنے والا الیگزینڈر بیسونیٹ تھا' اس نے یہ کام اُن خبروں کو دیکھ کر کیا کہ کینیڈین حکومت مزید پناہ گزینوں کو قبول کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ تیسرا البانوی رہنما اسکندر برگ جس نے خلافتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت شروع کی تھی۔ یہ بغاوت تقریباً پچیس سال (۱۴۴۳ء سے ۱۴۶۸ء تک) جاری رہی۔ وینس کا ایک فوجی افسر جس نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ترک مغویوں کو قتل کر دیا تھا (۱۵۷۰ء) اس کا نام میکرو انٹونیو بریگیڈن تھا۔ اور فرینک چارلس مارٹل جس نے اسپین کی جنگِ بلاط الشہداء (Battle of Tours: Oct. 741) میں مسلمانوں کو شکست دی تھی' جس کے بارے میں انگریز مؤرخ گبن نے کہا تھا کہ اس جنگ میں مسلم فتح سے مغربی تہذیب دم توڑ جاتی' کلیسا ختم ہو جاتا' آکسفورڈ میں بائبل کی جگہ قرآن کا درس ہوتا۔ جبکہ یہودی معروف مؤرخ فلپ کے حتی نے اس جنگ کے بارے میں لکھا کہ کئی دنوں تک جھڑپیں جاری رہیں۔ آخر عرب جرنیل نے یورش کی اور کاری زخم کھایا۔ رات کے سناٹے میں اس کے آدمیوں نے اپنے خیمے طے کیے اور چوری چھپے لوٹ گئے۔ یہ تھی وہ فتح جسے مغربی مؤرخ عسکری تاریخ کی فیصلہ کن جنگ قرار دیتا ہے۔ ایک نام سربیا کے بادشاہ کے خاص آدمی میلوس اوبیلک کا بھی تھا جس نے سلطنت عثمانیہ کے خلیفہ سلطان مراد اول (۱۳۸۹ء تا ۱۴۲۶ء) کو جنگ کوسووو (۱۳۸۹ء) کی فتح کے بعد اسلام قبول کر لینے کا دھوکا دے کر زہریلے خنجر سے وار کر کے زخمی کر دیا تھا جس سے وہ جاں بر نہ ہو سکے۔ نیز نسل پرست' پراپرٹی بزنس مین اور سابق ایکٹر امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو بھی اپنا آئیڈیل قرار دیا۔ اس نے ترک صدر اردوان کو قتل کرنے کی دھمکی بھی دی۔

اکثر محققین کا خیال ہے کہ اس حملہ کا تعلق رائیٹ وِنگ عالمی دہشتگردی سے ہے۔ اس قسم کی دہشتگردی کا آغاز ۲۰۱۰ء کے وسط سے شروع ہوا۔ ان رائیٹ وِنگ دہشتگردوں کے بنیادی عقائد میں اجنبیوں کا خوف (xenophobia)' تارکینِ وطن کی مخالفت اور اسلاموفوبیا نمایاں

ہیں۔ ٹیرینٹ نے اپنے منشور میں یہ بھی کہا کہ اس نے کئی مختلف نظریات بشمول کمیونزم' انارکزم' لبرل ازم کا مطالعہ کرنے کے بعد تشدد پسند سفید فام نسل پرستی کو اپنایا' جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ شخص اسلاموفوبیا کا شکار تھا اور اپنے پورے ہوش وحواس اور عقل وشعور کے ساتھ اس وحشیانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا۔

یاد رہے! سانحہ کرائسٹ چرچ کے چند ایام کے بعد برطانیہ اور امریکا میں بھی مختلف مساجد پر حملوں کی کوشش کی گئی۔ مثلاً امریکی ریاست کیلیفورنیا میں دارالارقم مسجد میں نامعلوم شخص نے مسجد کی عمارت کو آگ لگانے کی کوشش کی جس سے عمارت کو معمولی نقصان پہنچا اور ایک شخص زخمی بھی ہوا۔ فرار ہونے والے شخص نے سفید فام نسل پرستی اور نیوزی لینڈ حملے پر ایک تحریر بھی چھوڑی۔ مسجد کی پارکنگ میں وال چاکنگ نظر آئی جس میں نیوزی لینڈ کے شہر کرائسٹ چرچ میں مساجد پر ہونے والے حملے کا حوالہ دیا گیا تھا۔ مغربی میڈیا معتبر اخبار ورسائل' ٹی وی چینلز مسلم دہشت گردی کی یاد دہانی کروانا کبھی نہیں بھولتے۔ انھوں نے کبھی مسیحی یا یہودی دہشت گردی کی اصطلاح استعمال نہ کی' بلکہ ہمیشہ اس قسم کے حملوں کا تعلق نسل پرست یا دائیں بازو کی رجعتی سیاست سے جوڑ کر اس کی اہمیت ووسعت کو ختم کرنے کی دانستہ کوشش کی جاتی ہے۔

میڈیا' کرائسٹ چرچ مسلم کشی کا کلیدی محرک

میڈیا نے مسلمانوں کا ایک خاص امیج (steriotype) بنا کر پیش کیا ہے' حتیٰ کہ فلمز اور ویڈیو گیمز میں بھی دہشت گردوں کو اہتمام سے مسلمان بنا کر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ یوں گویا ایک پوری نسل کو اسلاموفوبیا کے سائے میں پروان چڑھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے ہیں اور مغرب میں اسلام گویا بکاؤ مال کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ ون پاتھ نیٹورک کی ۲۰۱۷ء کی ایک سالہ اسٹڈی کے مطابق آسٹریلیا کے پانچ سب سے بڑے اور کثیر الاشاعت اخبارات یعنی ڈیلی ٹیلیگراف' دی آسٹریلین' دی ایڈورٹائزرز' دی ہیرلڈ سن اور کوریئر میلو غیرہ میں تقریباً ۳۰۰۰ نیوز آرٹیکلز یا مضامین میں اسلام اور مسلمان کے ساتھ violence (تشدد)' extremism (انتہا پسندی)' terrorism (دہشت گردی)' radicalism (بنیاد پرستی) کے الفاظ کو نتھی کیا گیا۔ گویا ایک دن میں ۸ سے زائد آرٹیکلز' کالمز اور دیگر مضامین لکھے گئے جن میں اسلام اور مسلمانوں کو منفی انداز میں پیش کیا گیا۔ ان

تین ہزار مضامین میں ۱۵۲ پہلے مرکزی صفحہ پر شائع کیے گئے تھے۔ اس کا تناسب اگر دیکھا جائے تو یہ منفی تحریریں ان اخبارات میں ہر دوسرے روز شائع کی جاتی رہیں۔ لہٰذا اس بات میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ آسٹریلوی عوام پر اس دوران کس طرح اسلام مخالف (anti-islam) مواد' آراء' خبروں' تجزیوں' مضامین و کالمز وغیرہ کی صورت میں بمباری کی جاتی رہی۔ اسلام کی نا قابلِ قبول اور خوف پیدا کرنے والی تصویر کشی کی جاتی رہی۔ اسلامی شریعت' قرآن اور سنتِ رسول ﷺ کو خوف و خطرہ کی شکل میں پیش کیا جاتا رہا۔ سوال یہ ہے کہ آسٹریلین سوسائٹی میں جہاں مسلمان غیر مؤثر اقلیت ہیں' سیاسی' سماجی اور اقتصادی اعتبار سے بھی اس ملک کے کوئی بڑے شیئر یا اسٹاک ہولڈر نہیں ہیں — آسٹریلیا میں مسلم کمیونٹی کا آبادی میں تناسب تقریباً ۲ فیصد اور نیوزی لینڈ میں بمشکل ایک فیصد ہے — پھر وہاں کیوں ان کے بارے میں اس قسم کا غلط اور تشدد پر اکسانے والا تاثر اُبھارنے والی خبریں اور تحریریں تواتر سے اس وسیع پیمانے پر کثیر الاشاعت اخبارات اور میڈیا پر موجود رہیں؟ کیا یہ محض اتفاق ہے یا کسی خاص حکمت عملی (strategy) کا نتیجہ جس میں اسلام کو باقاعدہ ایک پلان (great game) کے مطابق عالمی خطرہ کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے؟ ۲۰۱۶ء کی Essential Report کے مطابق ۴۹ فیصد آسٹریلوی باشندے مسلمان تارکین وطن پر پابندی اور ان کی ملک میں داخلہ کی ممانعت چاہتے ہیں۔ اسلاموفوبیا رجسٹر آف آسٹریلیا کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق آسٹریلیا کی اس اسلام مخالف میڈیا کوریج کے باعث مسلمان کمیونٹی کے خلاف نفرت انگیز جرائم (hate crimes) میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔ اسی طرح ۲۰۱۶ء کی گریفتھ یونیورسٹی کی ایک اسٹڈی کے مطابق تقریباً ۷۰ فیصد آسٹریلین لوگ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ وہ یا تو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بالکل کچھ نہیں جانتے یا پھر ان کی اسلام کے بارے میں انتہائی محدود معلومات ہیں۔ گویا وہ زبانِ حال سے اعلان کر رہے ہیں کہ ''ہم اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے مگر ہم ان سے نفرت کرتے ہیں۔'' یاد رہے! آسٹریلیا میں اکثر پرنٹ میڈیا نیوز کارپوریشن اور فیئر فیکس میڈیا کے تحت کام کرتا ہے۔ نیوز کارپوریشن یہودی روپرٹ مرڈوخ کی ملکیت ہے۔ اس ملٹی نیشنل کا صدر مقام نیویارک (امریکہ) میں ہے۔ ۲۰۱۳ء تک یہ دنیا کا چوتھا سب سے بڑا میڈیا گروپ تھا۔

سوشل میڈیا سنسر شپ ایک پوشیدہ عمل

اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے دی اکانومسٹ نے لکھا: ''یہ حملہ سوشل میڈیا کمپنیوں کے بارے میں اس تشویش کو بھی اجاگر کرتا ہے کہ وہ کس طرح دہشت گردوں کو تشہیر کے مواقع فراہم کرتی ہیں۔ گرفتار ہونے والوں میں سے کوئی بھی آسٹریلیا یا نیوزی لینڈ کے حکام کی واچ لسٹ پر نہیں تھا۔ ان ممالک کی خفیہ ایجنسیوں کی توجہ سفید فام نسل پرستوں کے برعکس مسلمان کمیونٹی پر مرکوز تھی۔ دراصل وہ غلط سمت دیکھ رہے تھے۔''

ثناء غوری ''سوشل میڈیا کے مختلف پہلو'' میں لکھتی ہیں: ''الیکٹرانک فرنٹیئر فاؤنڈیشن کی ایک رپورٹ جس کا مقصد سوشل نیٹ ورکنگ کمپنیوں (فیس بک' ٹوئٹر' یوٹیوب وغیرہ) کے بارے میں یہ معلومات حاصل کرنا ہے کہ وہ کس طرح اور کون سی پوسٹ سامنے لانے کی اجازت دیتی ہیں اور کس نوعیت کی پوسٹس کو روک لیتی ہیں' ریسرچرز جیلین یورک کے مطابق سوشل نیٹ ورکنگ کمپنیوں کی سنسر شپ پالیسی ہونے کے باجود ان کی حکمت عملی کو سمجھنا اور ان کا اس پر عملدرآمد کو جاننا آسان نہیں ہے۔ امریکہ کے حالیہ صدارتی انتخابات میں بھی جعلی خبروں کے ذریعہ لوگوں کو مخصوص نمائندے کی جانب جھکانا ثابت ہو چکا ہے۔ مواد کے ہٹانے کے بارے میں اس ادارے کے بارے میں بہت مبہم معلومات ہیں کہ صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ ان سائٹس سے معلومات کو ہٹانے کا عمل کچھ آفسز میں انجام پاتا ہے' جہاں تعینات عملے کو بھاری تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ اس نوعیت کے دفاتر بھارت' بنگلہ دیش اور فلپائن میں قائم ہیں۔ ان دفاتر میں کام کرنے والوں میں سے بیشتر متعلقہ سوشل نیٹ ورکنگ سائٹ کے ملازم نہیں ہوتے۔ یہ کونٹینٹ موڈی ریٹرز (content moderators) کسی تیسرے فریق کے لیے کام کرتے ہیں۔ گویا یہ آؤٹ سورس لیبر ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ جاننا مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ فیس بک' ٹوئیٹر' یوٹیوب یا کسی اور سوشل نیٹ ورکنگ سائیٹس پر پوسٹس کو سینسر کرنے اور ہٹانے کا فریضہ کون انجام دے رہا ہے۔ گویا یہ ایک ایسا خفیہ عمل ہے جسے انجام دینے والے افراد بے چہرہ (faceless) یا اَن دیکھے (unknown) ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ سوشل میڈیا پر سنسر شپ کے حوالے سے دہرا معیار اور متعصّبانہ عمل ہے۔

کرائسٹ چرچ مغرب کی مذہبی وتہذیبی زوال پذیری کا اشارہ

نیوزی لینڈ میں مساجد پر دہشت گردانہ حملہ مغرب کے اس بڑھتے ہوئے رجحان کا تسلسل معلوم ہوتا ہے‘ جس میں دہشت گرد عبادت گاہوں (جنہیں ماضی میں نہیں چھیڑا جاتا تھا) کو ٹارگٹ کر رہے ہیں۔ امریکہ میں اکتوبر ۲۰۱۸ء میں ٹری آف لائف سیناگوگ (یہودی عبادت گاہ) پر حملے میں گیارہ افراد ہلاک ہوئے۔ ۲۰۱۵ء میں چارلسٹن چرچ کے سانحے میں سفید فام انتہا پرست ڈائلن روف نے ۹ سیاہ فام امریکیوں کو قتل کیا۔ ۲۰۱۲ء میں ویسکونسن کے ایک سکھ گردوارے پر حملے میں ۶ افراد مارے گئے۔ اس کے علاوہ بھی دنیا بھر میں ایسے کئی واقعات ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر لال خان مغرب کی زوال پذیر تہذیب کی جانب اشارہ کرتے ہیں: ''نیوزی لینڈ کے اس واقعہ سے پتا چلتا ہے کہ امن اور استحکام کا گہوارہ سمجھے جانے والے ممالک بھی آج اس آگ سے محفوظ نہیں رہے‘ جو اس نظام کے رکھوالوں نے بھڑکائی ہے۔ یہ واقعہ ترقی یافتہ ممالک کی سفید فام آبادیوں میں بھی شدید بیگانگی کی غمازی کرتا ہے‘ جس کا اظہار امریکہ کے تعلیمی اداروں میں شوٹنگ کے بڑھتے واقعات سے بھی ہوتا ہے‘ جن میں زیادہ تر سفید بچے اور نوجوان ہی مرتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی نظام تاریخی بحران اور متروکیت کا شکار ہو جائے تو اس کے تحت چلنے والے معاشرے بھی عدم استحکام سے نہیں بچ سکتے۔ سماج جب آگے نہیں بڑھتے یا ترقی کی مخصوص سطح پر آ کے اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پاتے تو پیچھے سرکنے لگتے ہیں‘ جس سے ہر قسم کے ماضی کے تعصبات اور بربریتیں عود کر آتی ہیں۔'' (کرائسٹ چرچ میں خون کی ہولی‘ ۱۸ مارچ ۲۰۱۹ء)

اسلاموفوبیا کا پس منظر

اسلام خوفی یا اسلاموفوبیا کی اصطلاح ۱۹۲۰ء کے آس پاس فرانسیسی زبان میں نوآبادیاتی تناظر میں استعمال کی گئی۔ ۱۹۸۵ء میں پروفیسر ایڈورڈ سعید کی کتاب Reconsidered Orientalism کے صفحہ ۹۹ پر اسلاموفوبیا کا ذکر موجود تھا۔ اس کے بعد یہ اصطلاح Runnemede ٹرسٹ (نسلی مساوات پر تحقیق کرنے والا تھنک ٹینک۔ قائم شدہ

۱۹۶۸ء) کی جاری کردہ رپورٹ میں ۱۹۹۷ء میں استعمال ہوئی۔ اس رپورٹ میں برطانیہ میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے متعصبانہ طرزِ عمل کو بیان کیا گیا تھا۔ گویا اس میں برطانوی بے ضرر مسلمانوں سے خوف محسوس کرنے کو Islamophobia سے تعبیر کیا گیا اور مسلمانوں کے خلاف جو بھی تعصب پایا جاتا ہے اسے سادگی سے نسل پرستی سے جوڑ کر کسی بھی خاص نظریہ سے منسلک ہونے سے باز رکھا گیا۔ ''اسلاموفوبیا'' زبان کا ایسا کھیل ہے جس کا رخ مسلم شناخت کو کمزور کرنے کی جانب ہے۔ اس اصطلاح میں پوشیدہ منفی مفہوم اور خوف کے مخاطب یورپ و امریکہ میں پائے جانے والے وہ افراد ہیں جنہیں ایک امریکی دانشور نے WASP یعنی White Anglo Saxon Protestants کہا ہے۔ اس اسلاموفوبیا کا وجود نہ سیاہ فام امریکی باشندوں میں پایا جاتا ہے اور نہ افریقی ممالک میں۔ عملاً اس کے مریض یا شکار سفید فام پروٹسٹنٹ انگریزی النسل ہی نظر آتے ہیں۔ پروفیسر انیس احمد کے بقول جس طرح cat phobia میں بلی کا کوئی قصور سوائے اس کے کوئی نظر نہیں آتا کہ اس کے منہ میں دانت اور پاؤں میں پنجے ہوتے ہیں‘ جنہیں خطرے کی شکل میں وہ استعمال کر سکتی ہے‘ جبکہ عام حالات میں وہ ہر اس شخص سے دوستانہ ماحول میں ملتی ہے جو اسے بری نگاہ سے نہ دیکھے‘ بالکل اسی طرح دنیا کی آبادی کے ایک چوتھائی حصے کے بارے میں یہ واہمہ ذہن نشین کرنے کا نام اسلاموفوبیا ہے کہ ہر مسلمان ایک غالی ممکنہ حملہ آور ہے۔ درحقیقت اسلاموفوبیا نے استشراق (Orientalism) کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ یہ ''مسلمان مخالف نسل پرستی'' اب ریاست کی خدمت گار بن چکی ہے۔

اسلاموفوبیا کا اطلاق ان تمام مغربی اقوام پر کیا جاتا ہے جو مسلمانوں خصوصاً تارکین وطن (immigrants) کے بارے میں بلکہ خود ان کے اپنے آبائی وطن میں ہوتے ہوئے بھی ان کے لیے ایک انجانے خطرے اور دہشت کی علامت ہیں۔ یہ خوف درحقیقت مغرب کے اپنے تخلیق کردہ ہیں۔ تحقیق کے مطابق مغربی ممالک میں اسلامی لباس وہ فوری محرک ہے جو انہیں اینٹی مسلم جذبات پر ابھارتا ہے۔ درحقیقت انہیں مسلمانوں کی پھیلائی دہشت گردی کا خوف نہیں بلکہ اسلام کے تیزی سے پھیلنے کا خوف لاحق ہے جسے درست الفاظ میں اسلاموفوبیا نہیں بلکہ 'اسلاموفوبیا کا خوف' کہنا چاہیے۔ یعنی اسلام خوفی کے حوالے سے پیدا ہونے والا خوف یا شدید منفی ردعمل۔

نائن الیون اور مغرب میں اسلاموفوبیا کا ابھرنا

عمران شاہد بھنڈر مختلف مغربی ممالک میں اسلاموفوبیائی کیفیت کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''۹/۱۱ کے امریکی حملوں کے بعد مسلمانوں سے متعلق مغربی سیاستدانوں' ذرائع ابلاغ اور مقامی اتھارٹیز کا رویہ انتہائی منفی نوعیت کا رہا ہے۔ ۱۹/۱۱ امریکہ میں ہوا' جس میں تین ہزار لوگ بھی مارے گئے' مگر اس کے بعد کم وبیش تمام مغربی ممالک میں مسلمانوں پر گھناؤنی نوعیت کے حملے کیے گئے۔ مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا گیا' حتیٰ کے بعض سکھوں کو مسلمان سمجھ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ مسلمانوں کی رہائشی اور کاروباری املاک کو آگ لگائی گئی' مساجد پر حملے کیے گئے' قبرستانوں کو مسمار کیا گیا' حاملہ عورتوں پر حملے کیے گئے' معصوم مسلمان لڑکیوں کے حجاب نوچے گئے' اسلامی لٹریچر کی دکانوں کو بند کر دیا گیا' اسکولوں میں مسلمان بچوں کو انتہائی نسل پرستانہ اور مذہبی طور پر انتہا پسندانہ رویوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمانوں کے ساتھ تو یہ سلوک کم وبیش تمام ''مہذب ممالک'' میں روا رکھا گیا' لیکن صرف امریکہ میں گیارہ ستمبر کے بعد مسلمانوں پر ہونے والے حملوں میں سولہ ہزار (۱۶۰۰۰) گنا اضافہ ہوا۔''

Lory Peek نے ۲۰۱۱ء میں اپنی کتاب Behind the Backlash شائع کی' جس میں مسلمانوں کے متعلق اہم انکشافات کا احوال قلمبند کیا۔ لوری پیک نے گیارہ ستمبر کے بعد ڈھائے جانے والے مظالم کو ''Second Disaster'' سے تعبیر کیا ہے۔ یورپی یونین کے ۲۸ ممالک میں سے صرف ۶ ممالک مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے امتیازی سلوک سے متعلق اعداد وشمار اکٹھے کرتے ہیں' دیگر ''مہذب ممالک'' مستقل خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ برطانیہ کے ہوم سیکریٹری نے بھی ۲۰۱۲ء کے بعد ہی مذہبی نوعیت کے جرائم کو منظر عام پر لانے کا سلسلہ شروع کیا۔ ۲۰۰۵ء میں برطانیہ میں مسیحی و یہودی دہشتگردوں نے مسلمانوں کی قبروں کو مسمار کر دیا۔ برمنگھم' جنوبی مانچسٹر میں مسلم قبرستان کو مسمار کیا گیا' ویلز میں بھی ایسا ہی ردعمل دیکھنے کو ملا۔ برطانیہ میں مسلمانوں کے قبرستانوں پر حملے معمول تھا۔ صبر وتحمل' برداشت اور انسانی حقوق کا درس دینے والے ممالک میں ۱۱۔۲۰۰۹ء کے دوران سولہ سال سے زائد عمر کے مسلمانوں کے خلاف ۲۱۶۷ جرائم کا ارتکاب ہوا۔ برطانوی تنظیم MAMA نے کہا ہے کہ گزشتہ ایک برس میں مسلمانوں کے خلاف ۶۳۲ جرائم سامنے آئے' ان میں

سے ۵۸ فیصد عورتوں کے خلاف تھے۔ فرانس میں نسل پرستانہ جرائم میں ۳۴ فیصد اضافہ ہوا۔ فرانس کی نیشنل فرنٹ ہو یا برطانیہ میں مسلمانوں کے خلاف نعرے بازی کرنے والی برٹش نیشنل پارٹی اور انگلش ڈیفنس لیگ' مسلم وغیر مسلم کے مابین نظریاتی خلیج کو برقرار رکھنا سامراجی آئیڈیالوجی اور مغربی خفیہ ایجنسیوں کا ایجنڈا ہے۔ اگر مسلمانوں کے خلاف نفرت وتعصب کم ہوا تو ان ممالک کے عوام اپنے ممالک کے حکمرانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ یاد رہے! برطانوی عدالت نے ۲۵ اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز جمعہ پاؤلو لیپ شائن نامی شخص کو چالیس سال قید کی سزا سنائی جس نے برطانیہ کے شہروں والسال' ولورہیمپٹن اور ٹپٹن میں واقع مساجد کے احاطوں میں بم نصب کیے تھے۔ یہ شخص بم بنانے کا ماہر تھا۔ اس کے علاوہ اس نے برمنگھم کے علاقے سمال ہیتھ میں ایک بیاسی سالہ بزرگ کی پشت پر پیچھے سے اس وقت تین وار کیے جب وہ عشاء کی نماز کے لیے گھر سے نکلا۔ لیپ شائن کا تعلق بھی دائیں بازو کی قدامت پرستانہ سوچ اور گوروں کی برتری پر استوار تھا۔ خصوصاً برطانیہ میں ہونے والے اس قسم کے دہشت گردانہ حملوں کی ایک طویل فہرست ہے۔

اسلام خوفی سے اُبھرتے جارحانہ مظاہر

گیلپ کے ایک عالمی جائزے کے مطابق ساری دنیا کے مسلمان یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک چیز جو ان کے مغرب سے تعلقات میں بہتری لاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ مغرب مسلمانوں کے حوالے سے اپنے خیالات میں اعتدال پیدا کرے اور اسلام کا احترام کرے۔ مغرب میں مسلمانوں کو اسلاموفوبیا کے مسئلے کا حصہ سمجھا جاتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ مسئلہ حل کرنے والے فریق ہیں۔ یورپین سینٹر فار ریسزم اینڈ زینوفوبیا (EUMC) کی ۲۰۰۲ء کی تحقیق کے مطابق نائن الیون کے بعد یورپین یونین کے تمام ممالک میں مسلم مخاصمت میں کئی گنا اضافہ ہوا' جبکہ کمیشن فار ریشیل اکوئیلٹی (CRE) کے مطابق اسلام کا خوف ایک سماجی مظہر کے طور پر ۹/۱۱ سے پہلے بھی موجود تھا' تاہم یہ صورتحال اسے محض عیاں کرنے کا سبب بنی۔ ۶ ستمبر ۲۰۱۱ء کی ایک تحقیق کے مطابق تقریباً آدھے امریکی ایک برقع پوش خاتون' رہائش گاہ کے قریب تعمیر ہوتی ہوئی مسجد' اور ہوائی اڈے پر نماز پڑھتے مسلمان کو دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں۔ ۲۰۱۳ء (بی بی سی) کا ایک جائزہ ظاہر کرتا ہے کہ برطانوی نوجوانوں کی ایک چوتھائی سے زیادہ تعداد

مسلمانوں پر اعتبار نہیں کرتی۔ گویا ہر چوتھا برطانوی باشندہ مسلمانوں کے بغیر ہی ملک کو بہتر جانتا ہے۔ اسلاموفوبیا کو دوام بخشنے میں مشرقِ وسطیٰ تنازعہ نے بھی بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

مغرب میں اسلاموفوبیا کا اظہار نت نئے طریقوں سے ہو رہا ہے۔ مثلاً مسلمانوں پر گلیوں، پارکوں اور دیگر عوامی مقامات پر حملے کر کے، بیہودہ جملے کسنا، دھکے دینا، تھوکنا، مسلم خواتین کا حجاب کھینچنا، ہلکی مار پیٹ سے قتل تک، مسلمانوں کی جائیدادوں پر حملے کرنا، مساجد، قبرستان، تجارتی مراکز پر حملہ کر کے کھڑکیاں توڑنا، مسجد میں گندگی اور سور کے سر پھینکنا، دیواروں پر لکھنا، آگ لگا دینا اور قبرستانوں کی بے حرمتی کرنا۔ مسلمانوں کو اشتعال دلانا یا ڈرانے دھمکانے کے لیے مسلم آبادی کی جانب مارچ کرنا، اشتہاری مہم چلانا، اسلامی خطرہ سے متعلق انتباہ، قرآنی نسخے نذرِ آتش کرنا اور مساجد و ثقافتی مراکز کی تعمیر کے خلاف جلسے جلوس کرنا۔ اسی طرح ادارتی سطح پر مسلم خوفی کا اظہار یوں کیا جاتا ہے کہ بمقابلہ دوسرے عہدیدار کے مسلمان عہدے دار سے برا سلوک کرنا، ہراساں کرنا، غنڈہ گردی، مذاق اڑانا، ان کے کاموں کی تقسیم اور کارکردگی کا جائزہ لینا، بدترین رویے اور تبصروں کا نشانہ بنانا، یونیورسٹی کے اسلام سے متعلق تحقیقی مرکز میں سور کے سینڈوچ سے ضیافت، ایسے لباس کی پابندی جو دیگر اہلکاروں کے مقابلے میں مسلمانوں پر بوجھ بن جائیں، مختلف عذر بہانوں سے ترقی اور اضافے روک دینا، ان پر قدامت پرست اور مخلوط ماحول سے بیزاری اور کام کرنے کے رویے سے ناواقف ہونے کا الزام لگانا۔ اسلاموفوبیا کے یہ مظاہر ضروری نہیں ریاستی سرپرستی میں یا اس کے تعاون سے انجام پائیں، بلکہ ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں غیر امتیازی قانون کے دائرے سے باہر رکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن پاک کی اشاعت میں حضرت محمد ﷺ کو اس کا مصنف ظاہر کرنا، قرونِ وسطیٰ کے اسلام سے متعلق عیسائی دلائل سچ ثابت کرنا، مختلف جرائم کو اسلام و مسلمان ثقافت سے جوڑنا، انٹرنیٹ سائٹس، میگزینز، سوشل اور دیگر میڈیا، بذریعہ ای میل، ٹیلی فون کالز، گمنام خطوط اور گاڑیوں کی وِنڈ اسکرینوں پر دھمکی آمیز پیغامات کے ذریعے پھیلانا، حقیقی و افسانوی پروگرام کی مدد لینا، رائے عامہ کو متاثر کرتا ہے اور ریاستی پالیسی سازی اور قواعد و قوانین وضع کیے جا سکتے ہیں۔ ریاست کا اسلاموفوبیا کے شکار افراد کو مناسب تحفظ نہ دینا، اس سے

صرفِ نظر کرنا یا انکار کر دینا، مسلمان آبادیوں کی کڑی نگرانی کے لیے ٹیکنالوجی کا استعمال، ایجنٹوں کے ذریعے فتنہ انگیزی، تنخواہ دار مخبروں اور خفیہ پولیس وغیرہ سے مدد لینا، برے سلوک کا نشانہ بنانا، تفریق پر مبنی سزائیں، تلاشی لینے کے عمل میں فرق، ریاست کی جانب سے مساجد کی عمارت کو محدود کرنا، اسپیکر اور میناروں پر پابندی اور لباس مثلاً برقعہ و حجاب پر پابندی وغیرہ۔

اسلاموفوبیا کے نمایاں امریکی اسپانسرز

غیر جانبدار تھنک ٹینک نیو امریکہ میں مسلم تارکین وطن کے معاملات کے ڈائریکٹر رابرٹ میکنزی کے مطابق امریکہ میں اسلاموفوبیا، چاہے نفرت انگیز جرائم کی صورت میں ہو یا منتخب افراد کے بیانات کی صورت میں، گزشتہ سالوں میں اس میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔ پنسلوینیا یونیورسٹی کے پروفیسر فلپ جینکنز کے بقول: ''اگر محض مذہبی سکرپٹ کی ظاہری شکل مذہب کی ترجمان ہوتی تو عیسائیت اور یہودیت اسلام کی نسبت کہیں زیادہ شدت پسند مذاہب ہیں۔''

امریکہ میں اسلاموفوبیا دائیں بازو کی کوئی سازش نہیں بلکہ گمراہ کن معلومات پھیلانے والے اداروں اور انتہائی منضبط گروہوں کا شاخسانہ ہے۔ ان میں سات کلیدی افراد اور ان کے ادارے نمایاں ہیں: (۱) ڈونرز کیپیٹل فنڈ (۲) رچرڈ میلن سیف فاؤنڈیشن (۳) لینڈے اور ہیری بریڈلی فاؤنڈیشن (۴) نیوٹن اینڈ روشیل بیکر فاؤنڈیشنز اور چیریٹیبل ٹرسٹ (۵) رسل بیری فاؤنڈیشن (۶) ان کوریج چیریٹیبل فنڈ اینڈ ولیم روز نویلڈ فیملی فنڈ (۷) فیئر بروک فاؤنڈیشن۔ ان اداروں نے ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۹ء کے دوران اسلاموفوبیا تھنک ٹینکس کو ۴۳.۶ ملین ڈالرز فراہم کیے۔ ماہرین کے نام یہ ہیں: فرینک گیفنی، ڈیوڈ یروشلمی، ڈینیل پائپس، رابرٹ اسپنسر، اسٹیو ایمرسن۔ یہ ادارے اور افراد لوگوں کو غلط معلومات فراہم کرتے ہیں جس پر مسلمانوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اکتوبر ۲۰۰۲ء میں ۳۹ فیصد امریکی اسلام مخالف تھے جبکہ ۲۰۱۰ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۴۹ فیصد تک جا پہنچی تھی۔ مسلمان کے صدر بننے اور امریکی سپریم کورٹ میں کسی مسلمان کے ہونے پر اکثر امریکی غیر مطمئن تھے۔ اسلام کا خوف محض بالغ افراد تک محدود نہیں بلکہ نابالغ افراد بھی اس کا شکار ہیں۔

اسلاموفوبیا میں مغربی ذرائع ابلاغ کا کردار

یہ بات درست ہے کہ اسلاموفوبیا نے مستشرقین کی یک رخی اور اسلام مخالف تحریروں

سے جنم لیا تھا مگر آج مستشرقین کے اسی قدیم یا روایتی کردار کو جدید مغربی میڈیا نبھانے میں مصروف ہے۔ نام چومسکی اور ایڈورڈ ہرمن نے ۱۹۹۸ء میں اپنی ایک شائع ہونے والی کتاب Manufacturing Consent: The Political Economy of Mass Media میں میڈیا کی طاقت واثر ورسوخ اور اس کے کام کرنے کے انداز پر خالصتاً اکیڈمک انداز میں تحقیقی نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ ان دونوں سکالرز کا کہنا ہے کہ کوئی بھی ''خبر'' (News) بہت سے فلٹرز سے گزر کر تشکیل پاتی ہے اور پھر ایک مخصوص بیانیے کی ترویج کے لیے عوام الناس تک پہنچائی جاتی ہے۔ چومسکی اور ہرمن کے پراپیگنڈا ماڈل کا مرکزی نقطہ نظر یہ ہے کہ دنیا میں پاور دراصل چند غیر منتخب شدہ افراد، عناصر اور کارپوریشنز کے ہاتھوں میں ہے جو طاقت کے دیگر ستونوں کے علاوہ عالمی میڈیا پر بھی بہت اثر ورسوخ رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے ایک مخصوص ایجنڈے یا بیانیے کو فروغ دینے کے لیے خبریں باقاعدہ انتخاب (selectivity)، فلٹرنگ (filtering) اور چھان بین (sanitization) کے مراحل سے گزاری جاتی ہیں۔ اور عوام الناس تک صرف وہی خبری مواد پہنچایا جاتا ہے جو ان چند پاور اسٹیک ہولڈرز کے مفاد کو پورا کرتا ہو جن کا مقصد صرف اپنی ذاتی طاقت واثر ورسوخ اور کارپوریٹ منافع میں اضافہ کرنا ہوتا ہے۔ چومسکی اور ہرمن کے مطابق کارپوریٹ میڈیا کا مجموعی سٹرکچر میڈیا پروفیشنلز کی بجائے کاروباری افراد کی میڈیا پر اجارہ داری، ایڈورٹائزنگ کی بنیاد پر کھڑا میڈیا سسٹم، خبر کے مشکوک سورسز، نشر ہونے والے ناپسندیدہ مواد کی جبری بندش، پہلے ''اینٹی کمیونزم'' اور اب ''اینٹی ٹیررازم'' یا درحقیقت ڈر وخوف کے بیانیے کی تشہیر پر مبنی ہے۔ میڈیا انڈسٹری کو چند بڑی بڑی کمپنیاں کنٹرول کرتی ہیں اور بہت سے میڈیا چینلز پر ان کا غلبہ رہتا ہے۔ یہاں تک کہ انٹرنیٹ کے پھیلاؤ کے بعد بہت سی ویب سائٹس کی تخلیق اور دیگر ذرائع سے کارپوریٹ سیکٹر کی میڈیا پر اجارہ داری جوں کی توں قائم ہے۔ طاقتور سوشل ایلیٹ کے مفادات کے آڑے آنے والوں کی نہ صرف حوصلہ شکنی کی جاتی ہے بلکہ بعض صورتوں میں انہیں عبرت کی علامت بنا دیا جاتا ہے۔ جب تک حریف کو سمجھ آتی ہے وہ چاروں شانے چت ہو چکا ہوتا ہے۔

اس پراپیگنڈا ماڈل کا نقطہ عروج ڈر یا خوف (fear and phobias) کی مسلسل تشہیر یا اس کو بیچنا ہے۔ لوگوں کو ٹرک کی بتی کے پیچھے لگانے کے لیے پہلے بہت سی عفریتوں

(demons) کو پیدا کیا جاتا ہے، پھر ان کی آڑ میں سیکیورٹی و دفاعی صلاحیتیں بڑھانے، میڈیا کو کنٹرول کرنے اور دفاعی صنعت کو ترقی دینے کے جواز پیدا کیے جاتے ہیں۔ امریکہ میں کئی سال تک کمیونزم کو ایک عفریت کے طور پر پیش کیا گیا اور پھر سوویت ریپبلک کے زوال کے بعد ''اسلامی دہشت گردی'' کا عفریت پیدا کر دیا گیا۔ پبلک کے موڈ کو اس عفریت سے ہم شناس کرنے کے لیے ٹی وی ڈرامے اور فلمیں تخلیق کی جانے لگیں۔ ڈر ایک طاقتور عنصر ہے جو لوگوں کو تحفظ کی طرف مائل کرتا ہے اور وہ واقعات کی تہہ میں جانے کی بجائے اس کے سطحی پہلوؤں کی جانب راغب ہو جاتے ہیں۔ یوں ڈر کا پراپیگنڈا دھیرے دھیرے لوگوں کے ذہنوں میں اثر پذیر ہو جاتا ہے۔ کمیونزم اور دہشت گردی ڈر پیدا کرنے کے محض دو پہلو ہیں۔ بہت سے دیگر حقیقی خطرات میں اپنی بچتوں یا گھر سے محروم ہونے کا ڈر، ملازمت سے ہاتھ دھونے کا ڈر اور اسی طرح ڈر کے بہت سے دیگر پہلو لوگوں کو انجانے خوف میں مبتلا رکھتے ہیں۔ نیوز ہیڈ لائنز، ڈر اور خوف کی ان پرچھائیوں کو حقیقت کا روپ دیتی رہتی ہیں۔ یوں معاشرے پر سوشل ایلیٹ کی اجارہ داری قائم رہتی ہے اور سچ تہہ در تہہ چھپا رہتا ہے۔ ایسے میں آزادئ صحافت اور اظہار کی آزادی (freedom of expressions) کو محض لفظوں کا ہیر پھیر ہی کہا جا سکتا ہے۔

اگرچہ پوری دنیا میں پرتشدد واقعات رونما ہوتے ہیں، تاہم اکثر مغربی مفادات اور گہرے ثقافتی تعصب کے باعث ذرائع ابلاغ میں زیادہ توجہ ان واقعات کو ملتی ہے جو عالمِ اسلام میں رونما ہوتے ہیں۔ اسلامی ممالک میں سیاسی اور جنگجو گروہوں پر توجہ دینے کے باعث مسلمانوں کی منظر کشی اس طرح کی جاتی ہے جیسے وہ سیاسی، جنگجویانہ اور شدت پسندانہ سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہوں۔ اس کے برعکس عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں وغیرہ کو اکثر و بیشتر مذہبی و ثقافتی سرگرمیوں کے سیاق میں پیش کیا جاتا ہے۔ میڈیا کی طرف سے فراہم کردہ اطلاعات، خبروں اور تجزیوں وتبصروں میں سیاسی تنازعات کی ہی کوریج کی جاتی ہے، جس سے لامحالہ یہی تاثر پیدا ہوتا ہے کہ تنازعات وتصادم اور اختلافات مسلم ممالک میں ہی واقع ہوتے ہیں اور یہ لوگ (مسلمان) تنازعہ وتصادم کو امن اور سمجھوتے پر ہمیشہ فوقیت دیتے ہیں۔ خبروں میں اس غالب رجحان کے باعث دائمی تعصب میں مزید اضافہ اور خطرہ ہی پیدا ہوتا ہے جسے

بعض دانشور Securitization of Islam (اسلام کے خطرہ سے خبردار کرنا) کہتے ہیں' جس کے مطابق اسلام کو ایک خالص تحفظ کے نقطۂ نظر سے ہی دیکھا جاتا ہے' اور مغربی تہذیب کے لیے ایک خطرہ تصور کیا جاتا ہے۔ روز کی بنیاد پر مسلم دنیا کی منفی منظر کشی کرنے والی خبروں اور تجزیوں کی بھرمار کے باعث' مغربی باشندوں میں اتنی اہلیت نہیں رہتی کہ وہ ایک معیاری اور بنیادی اسلامی نظریے اور اس سے انحراف کی شکلوں کے درمیان فرق کر سکیں۔ اس طرح کے جواز پیش کرنے سے یہی تاثر ابھرتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی پرتشدد کارروائیاں بلاسبب نہیں ہوتیں اور یوں ان کا عذر پیش کیا جاسکتا ہے۔

مناسب سیاق یا تناظر کے بغیر نشر کیے جانے والے واقعات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کی ثقافت اور مذہب کے حوالہ سے صرف سادہ اور سرسری اور جزئی سی غیر مربوط تصویر پیش کر دی جاتی ہے۔ اس کے بالمقابل جب سیاسی معاملات کا ذکر کیا جاتا ہے تو تجزیہ نگار اچانک انتہائی گہرائی میں اتر کر چھان بین کرنے لگتا ہے تاکہ پُرتشدد واقعات کے بنیادی اسباب کا احاطہ کر سکے اور اسے اسلامی تصورِ جہاد سے جوڑ سکے۔ مثلاً شمالی آئرلینڈ کے پروٹسٹنٹ vs کیتھولک کے مذہبی و سیاسی تنازعے کو کبھی مذہبی و سیاسی تنازعے کے تناظر میں پیش نہیں کیا جاتا' جبکہ عالمِ اسلام کے اندر کسی تنازعے کی صورت میں سارے کا سارا استدلال ایک نیا رخ اختیار کر لیتا ہے' اور اس امر کی وضاحت کے لیے مذہبی' ثقافتی' تاریخی اور معادیاتی (echatalogical) تشریحات بھی پیش کر دی جاتی ہیں کہ آخر مسلمان ثقافت کا نتیجہ پرتشدد' نامعقول' پسماندہ اور اپنی تباہی کا سامان کرنے والی کارروائیوں کی صورت میں ہی کیوں برآمد ہوتا ہے۔ مثلاً ان برطانوی مسلم نوجوانوں کو جنھوں نے لندن بم دھماکوں کی منصوبہ بندی کی تھی ''وطن میں پرورش پانے والے دہشت گرد'' قرار دیا گیا جبکہ اس کے بالمقابل شمالی آئرلینڈ میں جنم لینے والے ان افراد کے حوالے سے جنھوں نے صوبے کے مرکزی علاقے میں بھی دہشت گرد کارروائیاں جاری رکھی ہوئی ہیں' اس طرح کی کسی عرفیت یا القاب کا استعمال نہیں کیا گیا۔ مسلم دانشوروں' سائنسدانوں اور دیگر کارہائے نمایاں انجام دینے والوں کے بارے میں مثبت تاثر اجاگر کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ گویا ہر بری چیز یا عمل کا کوئی مذہبی سبب ہوتا ہے' جبکہ ہر اچھی چیز یا عمل کے پس پردہ دیگر غیر مذہبی یا مغربی فکری عوامل ظاہر کیے جاتے ہیں۔

ڈنمارک کے ذرائع ابلاغ میں اینٹی مسلم مواد کے باعث ان کے رویے اسلام کے خلاف تھے' جبکہ اس کے برعکس آسٹریائی اور فن لینڈ کے میڈیا کے ذمہ دارانہ کردار کے باعث ان کے رویے نسبتاً مثبت رہے۔ ترکی کی یورپی یونین کی عدم رکنیت میں بھی اس اسلاموفوبیا کا عنصر کام کر رہا ہے۔ مسلمان ملازمتوں کے حصول میں نسلی تعصب کا شکار ہوتے ہیں۔ ایک عرب کو چوٹ لگائی جاسکتی ہے مگر ایک یہودی یا کالے کو نہیں۔ اسلام کی مثال میں لڑاکا' جنگجو' غیر مہذب' جبری' بربریت کا حامل' آمرانہ' جنسی آزادی کے عنصر کا حامل' پرتشدد استعمال کیا جاتا ہے۔ جنگجو تنظیموں کی روک تھام کے نام پر چلائی جانے والی مبنی برنفرت مہمات خوف اور دہشت کی پالیسیوں کی راہ ہموار کر رہی ہیں۔

بے جا خوف یا فوبیاز کے شخصی و معاشرتی اثرات

جب کسی شخص' گروہ یا اقلیتی کمیونٹی کا مسلسل منفی' قابل اعتراض اور ناقابلِ قبول امیج یا تصور تواتر کے ساتھ اکثریت کے ذہنوں میں انڈیلا جاتا رہے تو اس اکثریتی گروہ میں اس اقلیتی گروہ یا کمیونٹی کے خلاف منفی جذبات پروان چڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ نفرت' غصہ' بدلہ لینے کی خواہش اور انجانا خوف (xenophobia) انہیں سخت ردعمل اور تشدد آمیز رویہ پر اکساتا رہتا ہے۔ انسانوں میں اپنی ذات کے تحفظ و بقا کی جبلت بنیادی خصلت ہے جو اس کی بقا و دوام کی ضامن ہے۔ جب اس پر کوئی آنچ آنے لگے تو انسان اپنی پوری قوت سے ردعمل ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح مغرب میں جبراً رائج ڈارون ازم کے حیوانی ارتقاء کے تصور نے مغربی سفید فام قوموں میں اس تصور کو پروان چڑھایا کہ وہ اپنے شخصی و سماجی شناخت کے اصول و قاعدے حیوانی زندگی سے اخذ کرتے ہیں۔ اور ''بقائے اَصلح'' (Survival of the fittest) کے جنون کی پرورش کرتے ہوئے سفید فام کو دنیا میں ''اَصلح'' اور دوسری قوموں کو مغلوب کرنے اور ان پر اقتدار جمانے اور تفوق ثابت کرنے کے حق کو جائز قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ مغربی اقوام اسرائیل کا جواز یہ کہہ کر پیش کرتے رہے ہیں کہ وہ عربوں سے زیادہ باصلاحیت اور قابل ہیں۔ گویا طاقتور کا کمزور کو زیر کر لینا درست قرار پاتا ہے۔ مغربی میڈیا و سیاستدان اس وقت مغربی باشندوں کی اسی جبلی حس اور سفید فام تصورِ برتری کو مسلم مخالف رنگ میں ابھارنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ کسی بات پر تدبر و تفکر یا غور و خوض کے دوران اگر

نفرت، کراہیت یا ناپسندیدگی پیدا ہوجائے یا پیدا کردی جائے، جیسا کہ مغربی میڈیا اور سیاستدان مسلم مخالف تعصّبات کا کھل کر اظہار کرتے ہیں تو بات سمجھنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے، معروضیت (objectivity) ختم ہوجاتی ہے۔

ماہرینِ نفسیات کے مطابق مختلف قسم کے فوبیاز کی اصل وجہ ماضی کے ناخوشگوار واقعات ہوتے ہیں۔ جیسا کہ نیوزی لینڈ کے حالیہ واقعہ میں ٹیرینٹ نے اپنے ہتھیاروں پر ماضی کی مختلف شخصیات اور تواریخ کو درج کر رکھا تھا۔ یہ وہی واقعات وحوالے تھے جن کی وجہ سے وہ مسلمانوں سے خوفزدہ تھا اور جو اس بزدلانہ و وحشیانہ حملہ کی وجہ بنے۔ اور یہ کہ ان فوبیاز کی کوئی معقول وجہ نہیں ہوا کرتی، بلکہ ماضی کا کوئی ایک واقعہ یا حادثہ بھی اس قسم کے خوف کو جنم دے سکتا ہے۔ مثلاً مارٹن نامی ایک یونیورسٹی پروفیسر ماچس کی ڈبیہ سے ڈرتا تھا۔ وہ سگریٹ بھی پیتا تھا مگر سگریٹ لائٹر سے سلگایا کرتا۔ اس کی بیوی اس کے اس خوف سے واقف تھی، لہٰذا جب کبھی میاں بیوی میں جھگڑا ہوتا تو بیوی ماچس کے اس ہتھیار کو استعمال کرتی۔ لڑائی کے دوران ماچس خاوند پر پھینک دیتی اور جنگ جیت جاتی۔ بلکہ اکثر اوقات محض ماچس پھینکنے کی دھمکی ہی سے فیصلہ بیوی کے حق میں ہوجاتا۔ یہاں جس خوف کو مغربی میڈیا استعمال کر رہا ہے وہ مسلمانوں کا مغرب پر تسلّط قائم ہوجانے کا خوف ہے۔ مسلمانوں کو ناقابل اصلاح گروہِ انسانی کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ مغرب اور اس کی عوام اپنی اس غیر مذہبی و جاہلانہ تہذیب کو تاریخ عالم کی سب سے اعلیٰ وارفع قوم اور تہذیب تصور کرتی ہے اور دیگر اقوام عالم کی پیشوائی اپنا حق سمجھتی ہے۔ انہیں مہذب و کلچرڈ تسلیم کرنا گویا ان کا موروثی استحقاق ہو۔ مغربی معاشرے میں مشرقی و مسلم معاشرے کے خلاف اپنے گھناؤنے جرائم پر اپنی غلطیوں اور گناہوں کے اعتراف کی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ جب انہیں اپنی غلطی ہی کا اعتراف نہیں تو اپنی اصلاح کی فکر یا کوشش کیونکر ہوگی۔

یاد رکھنے کی بات یہ بھی ہے کہ گوروں کی برتری (Whiteman supermacy) کا تعلق محض اسلام یا مسلمان سے نہیں، بلکہ یہ مغربی و غیر مغربی کی تقسیم اور نسلی ولونی اور نام نہاد تہذیبی برتری کے بیانیہ کا نتیجہ ہے اور ہر سفید فام، چاہے وہ امریکی ہو یا یورپی یا کینگرو و کیوی (آسٹریلوی و نیوزی لینڈر) وہ اس زعم یا غرور کا شکار ہے کہ وہ دیگر اقوامِ عالم سے برتر کوئی

جنس ہے۔ مسلمانوں کے خلاف سفید فام عوام کی یہ بزدلانہ کارروائیاں ان ممالک کی اسی پرانی استعمارانہ آئیڈیالوجی کا شاخسانہ ہے جو ان ممالک نے سولہویں صدی کے اپنے غیر انسانی قبضہ کے دوران روا رکھیں۔ یہ ذرائع ابلاغ یعنی میڈیا اور سیاستدانوں کی کارستانی ہے جس نے اس وائیٹ سپریمیسی کے تصور کو اسلام مخالفت کا رخ دے دیا ہے۔ طاہر عباس کہتے ہیں:

''نسلی شناخت دی جانے والی اقلیتوں کے حوالے سے برطانوی مباحثہ (متن) میں ۶۰۔۱۹۵۰ء کی دہائی میں ''رنگ'' کی اصطلاح کی جگہ ۱۹۶۰ء، ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ''نسل'' کی اصطلاح نے اور ۱۹۹۰ء کی دہائی میں ''قومیت'' اور آج کے زمانے میں ''مہذب'' کی اصطلاح نے لے لی ہے۔''

سفید قوم پرستوں کا زعم ہے کہ سفید فام برتر نسل ہے۔ لہٰذا دیگر نسلوں اور اقوام پر انہیں حکم چلانے اور غلبہ پانے کا موروثی حق حاصل ہے۔ سفید فام قوم پرست مختلف نسلی گروہوں کے جنسی ملاپ (miscegenation) اور تکثیری سماج (ملٹی کلچرل ازم) کے ساتھ ساتھ تارکینِ وطن کے بھی سخت مخالف ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سفید فاموں میں کم شرح پیدائش کے باعث بھی ان کی نسل کو خطرہ لاحق ہے، جسے سائنسی نسل پرستی (Scientific racism) کہا جاتا ہے، جس کی بنیادیں جعلی و خود ساختہ سائنسی بیانات پر استوار کی جاتی ہیں۔ نیونازی ازم اس کی نمائندہ تحریک ہے۔ یہ نسل پرستانہ خیالات یہودیوں میں بدرجہ اتم موجود رہے ہیں۔ وہ خود کو Higher-Grade Race 'Stronger Race' یا عقلمند نسل باور کراتے ہیں۔

چند سطور میں اس بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ سانحہ کرائسٹ چرچ کا بنیادی محرک اسلام خوفی یا اسلاموفوبیا ہے۔ اس اسلاموفوبیا نے قرونِ مظلمہ کے کلیسائی عہدیداروں اور مستشرقین کی متعصّبانہ و سامراجیانہ نام نہاد تحقیق کی کوکھ سے جنم لیا۔ اور دورِ حاضر میں مسیحی متعصبین اور مستشرقین کا جانشین مغربی ذرائع ابلاغ یا الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا ہے جو مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے آقاؤں کی خدمت کرتے ہوئے اسلام اور مسلم مخالف جذبات کو ابھار کر نئی سامراجیت کے اقتدار و اختیار کو طول دینے کی کوشش میں مصروف ہے۔

❁❁❁

May 2019
Vol.68

Regd. CPL No.115
No. 6

Monthly **Meesaq** Lahore

جاری کردہ
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

داخلے جاری ہیں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

رجوع الی القرآن کورسز

(پارٹ I اور II)

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I) برائے مرد و خواتین (کوالیفکیشن: انٹرمیڈیٹ پاس کیا ہو)

1. عربی صرف و نحو
2. ترجمۂ قرآن (مع تفسیری توضیحات)
3. سیرت النبی ﷺ
4. قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی
5. تجوید و ناظرہ
6. مطالعۂ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II) صرف مرد حضرات (کوالیفکیشن: پارٹ (I) پاس کیا ہو)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان و ادب
9. اضافی محاضرات

انٹرویو کی تاریخ: 22 جولائی (صبح 9:00 بجے)
کلاسز کا آغاز: 23 جولائی (صبح 8:00 بجے)

داخلہ کے خواہشمند ایک تصویر، شناختی کارڈ کی کاپی اور انٹرمیڈیٹ کی سند کی کاپی کے ہمراہ 19 جولائی تک رجسٹریشن کروالیں

برائے رابطہ
قرآن اکیڈمی
K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-35869501 (042)
email:irts@tanzeem. org

ملک شیر افگن (مرد حضرات) 0300-4201617
(خواتین آفس) 3-35869501 (042)